عالمی تناظر 2026ء

سامراج کو شکست کیسے دی جا سکتی ہے؟

کانگریس 2026ء

دنیا بھر کے محنت کشو ایک ہو جاؤ!

عالمی تناظر

2026ء

سامراج کو شکست کیسے دی جا سکتی ہے؟

کانگریس 2026ء

marxist.com | marxist.pk

انقلابی کمیونسٹ انٹرنیشنل (RCI)

انقلابی کمیونسٹ پارٹی (RCP)

عالمی تناظر 2026ء

دنیا ایک ایسے عہد میں داخل ہو چکی ہے جہاں آئے روز غیر معمولی واقعات کا ابھرنا ایک معمول بن چکا ہے۔ جنگیں، خانہ جنگیاں پھیل رہی ہیں اور دنیا کا ہر خطہ اور بہت سے ملک ان کی لپیٹ میں آ چکے ہیں جبکہ اس کے ساتھ ہی حکمران طبقے کے مظالم کیخلاف انقلابی تحریکیں بھی ہر طرف ابھر رہی ہیں۔ ورلڈ آرڈر ٹوٹ کر زمین بوس ہو چکا ہے اور اس کی جگہ لینے کے لیے استحکام اور امن کا دعویدار کوئی بھی آرڈر دور تک نظر نہیں آ رہا۔ درحقیقت ہم سرمایہ دارانہ نظام کے بدترین زوال کے عہد میں داخل ہو چکے ہیں جس نے پوری دنیا کو انتشار اور ہیجان کے ایک ایسے دور میں دھکیل دیا ہے جو اس سے پہلے تاریخ میں کبھی نہیں دیکھا گیا۔ اس نظام کی قیادت کرنے والی سب سے بڑی سامراجی طاقت امریکہ اپنے بدترین زوال سے گزر رہی ہے۔ اس زوال کے دوران وہ پوری دنیا کو آگ اور خون میں دھکیل چکا ہے اور ظلم اور بربریت کی ایک نئی تاریخ رقم کر رہا ہے۔

عالمی سطح پر اس نظام کا زوال اور ورلڈ آرڈر ٹوٹنے کا عمل اتنے بڑے پیمانے پر رونما ہو رہا ہے کہ اس کے ہر پہلو کا مکمل احاطہ کرنا بھی انسانی ذہن کے لیے مشکل ہوتا چلا جا رہا ہے۔ ہر روز دنیا کے کسی خطے میں رونما ہونے والے واقعات کی ایک طویل فہرست موجود ہوتی ہے جو اس تمام تر عمل کا اظہار ہوتے ہیں لیکن ان واقعات کے تمام پہلوؤں کا جائزہ لینے کا آغاز ہی ہوتا ہے تو دوسری جگہ سے اس سے بڑے واقعات شروع ہو جاتے ہیں۔ اس دیوہیکل عمل نے ہر سوچنے سمجھنے والے

انسان کو ششدر کر کے رکھ دیا ہے اور بہت سے لوگ اس نظام کے زوال کو انتہائی حیرانگی سے دیکھ رہے ہیں۔

زیادہ وقت نہیں گزرا جب اس نظام کو ازلی اور ابدی بنا کر پیش کیا جاتا تھا اور بہت سے لوگ اس دعوے پر یقین بھی کرتے تھے۔ اس نظام کو سب سے مستحکم، پائیدار اور تاریخ کا سب سے جدید اور انسانیت کے لیے آخری نظام بنا کر پیش کیا جاتا تھا اور کہا جاتا تھا کہ اس نظام میں ہر مشکل سے نپٹنے کی صلاحیت موجود ہے۔ امریکی سامراج اور اس کے اتحادیوں کی طاقت کو لازوال اور ناقابل شکست بنا کر پیش کیا جاتا تھا اور دنیا بھر کے حکمرانوں کے ساتھ دانشوروں، تجزیہ نگاروں اور سیاست دانوں کی اکثریت بھی اس دعوے پر کامل یقین رکھتی تھی۔ دنیا کی ہر یونیورسٹی سے اسی نام نہاد حقیقت کا پرچار کیا جاتا تھا اور دنیا کے ہر ٹی وی چینل، اخبار اور میگزین میں شائع ہونے والے مضامین کی بنیاد بھی یہی ہوتی تھی۔ لیکن اب سب کچھ الٹ میں تبدیل ہو چکا ہے۔ امریکی سامراج دنیا میں عدم استحکام اور ہیجان کا منبع بن چکا ہے۔ امریکہ اور اس کے اتحادی پاگل کتوں کی طرح ایک دوسرے لڑ رہے ہیں۔ ہر طرف جنگیں، خونریزی اور تباہی کا منظر ہے۔ استحکام اور امن ہر خطے سے رفو چکر ہو چکا ہے اور ہر طرف بدامنی اور انتشار کا راج ہے۔ آج تمام ذرائع ابلاغ اور تمام درسگاہیں امریکی سامراج کے زوال پر بحث کر رہے ہیں اور اس کا موازنہ ماضی کی سلطنتوں کے زوال سے کر رہے ہیں۔ امریکہ کے صدر ٹرمپ کا موازنہ سلطنت روم کے ان بادشاہوں سے کیا جا رہا ہے جو سلطنت روم کے زوال کے ذمہ دار تھے۔ اسی طرح سرمایہ دارانہ نظام اور اس کے تحت قائم کردہ اداروں پر اعتماد ریزہ ریزہ ہو چکا ہے۔ عالمی سطح پر موجود اقوام متحدہ سے لے کر انصاف، صحت، امداد اور دیگر اداروں کی کھوکھلی حقیقت سب پر واضح ہو چکی ہے اور یہ ادارے اب ایک مذاق بن گئے ہیں۔ اسی طرح قومی ریاست کا ادارہ زوال پذیر ہے۔ دنیا کی ہر ریاست اس وقت شدید بحران کا شکار ہے اور اندرونی ٹوٹ پھوٹ اور خلفشار شدت اختیار کرتا جا رہا ہے۔ سب سے بڑا ریاستی بحران امریکہ میں بن چکا ہے اور عوام کا پارلیمان، عدلیہ، پولیس اور دیگر ریاستی اداروں پر اعتماد اپنی کم ترین سطح تک پہنچ چکا ہے۔ یہی صورتحال یورپ سے لے کر ایشیا تک کے

تمام ممالک کی ہے اور سرمایہ دارانہ ریاست کا ادارہ ٹوٹ کر بکھر رہا ہے۔

اس نظام کو اصلاحات کے ذریعے بہتر کرنے کے نعرے لگانے والے سیاستدانوں کی ابھی بھی کمی نہیں لیکن عوام کی وسیع ترین اکثریت کے سامنے یہ حقیقت کھلتی جا رہی ہے کہ اس نظام کی حدود میں رہتے ہوئے کسی بھی قسم کی بہتری اور بحالی اب ممکن نہیں۔ کچھ عرصہ قبل تک اس نظام کی حدود سے باہر دیکھنا بھی ممنوع قرار دے دیا گیا تھا اور جو کوئی کسی متبادل نظام کی گفتگو کرتا اسے پاگل گردان دیا جاتا تھا۔ دنیا بھر میں تمام تر دانش اور تمام تر تجزیوں کو اسی نظام کی حدود میں قید کر دیا گیا تھا اور ہر مسئلے اور ہر پریشانی کا اسی نظام کے اندر رہتے ہوئے حل تلاش کرنے پر زور دیا جاتا تھا۔ جنگوں اور خانہ جنگیوں کی روک تھام کے لیے بظاہر ادارے موجود تھے۔ اگر کوئی وبا پھیل گئی ہے تو اس کا مقابلہ کرنے کے لیے بھی ادارے اور میکانزم موجود تھا۔ دنیا میں کہیں کوئی ریاست منہدم ہوگئی ہے یا کسی عوامی تحریک نے دہائیوں سے چلے آرہے سیاسی نظام کو الٹ دیا ہے تو اسی نظام کے اندر سے اس کا متبادل تلاش کر لیا جاتا تھا۔ اگر کوئی ملک دیوالیہ ہوگیا ہے یا شدید معاشی بحران کا شکار ہے تو اس کے لیے بھی عالمی سطح پر ادارے موجود تھے جو اس ملک کا بندوبست کر لیتے تھے۔ اس تمام عمل میں امریکی سامراج قائدانہ کردار ادا کرتا تھا جبکہ اس کے اتحادی، خاص طور پر مغربی یورپ کے سامراجی ممالک انسانی حقوق، جمہوریت اور رولز بیسڈ آرڈر کا راگ الاپتے متاثرہ ممالک تک پہنچ جاتے تھے اور اپنے سامراجی مفادات کے تحت اس نظام میں قائم مختلف اداروں کے ذریعے صورتحال کو کنٹرول کرتے تھے۔ لیکن اب یہ عمل بھی اپنے الٹ میں تبدیل ہو چکا ہے۔

ٹرمپ نے گزشتہ سال دوسری مرتبہ صدر بننے کے بعد تمام تر نقاب اتار پھینکے ہیں اور سفارتی زبان کی ملمع کاری اور منافقت کا خاتمہ کرتے ہوئے کھلے عام اپنے سامراجی مفادات کے حصول کا پرچار کر رہا ہے اور ننگے جبر کے ذریعے اپنی خواہشات کی تکمیل کر رہا ہے۔ وہ انسانی حقوق، ماحولیاتی آلودگی سے تحفظ، قانون کی بالادستی جیسے الفاظ میں وقت ضائع نہیں کرتا اور واضح طور پر کہتا ہے کہ امریکی سامراج کو اپنا تسلط قائم رکھنے کے لیے یہ اقدامات کرنے ضروری ہیں۔ لیکن

درحقیقت ان اقدامات کے نتائج اکثر اس کی خواہش کے برعکس نکلتے ہیں اور امریکی سامراج مضبوط ہونے کی بجائے مسلسل کمزور ہوتا چلا جا رہا ہے۔اسی طرح جنگوں کے خاتمے کے نعرے پر الیکشن جیتنے والا خود بہت سی نئی جنگوں کے آغاز کا باعث بن چکا ہے۔مہنگائی اور بیروزگاری کو کنٹرول کرنے کا دعویدار ان میں اضافہ کرتا چلا جا رہا ہے۔درحقیقت اس کا ہر قدم اس کی خواہشات سے برعکس نتائج لے کر آتا ہے جو اسے مزید فرسٹریشن اور ہیجان میں دھکیل دیتا ہے۔ٹرمپ کا یہ عمل خود اس نظام کے بحران کا نتیجہ ہے۔ٹرمپ کی شخصیت میں اس نظام کا بحران اور ہیجان مجسم شکل میں نظر آتا ہے۔اس کے متضاد بیانات، اس کی ڈھٹائی اور پاگل پن اس مرتے ہوئے نظام کے تضادات کا اظہار کرتی ہے اور پھر اپنی خواہشات کے حصول میں اس کی مسلسل ناکامی بھی امریکی سامراج اور اس نظام کے بحران کو بھی عیاں کرتی ہے اور اس سامراجی طاقت کی حدود بھی واضح کرتی ہے۔یہ بھی نظر آتا ہے کہ یہ نظام ایک بند گلی میں پہنچ چکا ہے، یہ انسانیت کو کسی قسم کا فائدہ یا ترقی نہیں دے سکتا بلکہ یہ انسانیت کو تباہی اور بربادی میں دھکیلتا چلا جا رہا ہے۔اسی لیے اس نظام کو جتنی جلدی ختم کیا جائے اتنا ہی بہتر ہے اور اس کی قیادت کرنے والی سامراجی طاقتوں کو جتنی جلدی شکست دی جائے اتنا ہی انسانیت اور انسانی تہذیب کے لیے مفید ہے۔لیکن یہ کرنے کے لیے انقلابی کمیونزم کے نظریات پر ایک ایسی پارٹی تعمیر کرنے کی ضرورت ہے جو اس نظام کی بنیادوں کو سمجھتی ہو اور محنت کش طبقے کی طاقت پر یقین رکھتی ہو۔وہی پارٹی اس نظام کے تضادات کا ادارک حاصل کرتے ہوئے اس کیخلاف ابھرنے والی انقلابی تحریکوں کی قیادت کر سکتی ہے اور عوام کی وسیع اکثریت کی حمایت سے اس نظام اور اس پر براجمان سامراجی طاقتوں کو سوشلسٹ انقلاب کے ذریعے شکست فاش دے سکتی ہے اور تعمیر اور ترقی کے ایک نئے دور کا آغاز کر سکتی ہے۔

ایران جنگ

اس وقت دنیا میں جاری سب سے بڑا غیر معمولی واقعہ ایران پر مسلط کردہ امریکہ اور اسرائیل کی سامراجی جنگ ہے جس کا آغاز 28 فروری کو امریکہ اور اسرائیل کی طرف سے ایران پر بمباری

سے ہوا تھا۔اس جنگ نے مشرقِ وسطیٰ سمیت پوری دنیا کو ہلا کر رکھ دیا ہے۔وہ تمام امکانات اور خدشات جو صرف سوچوں تک اور منصوبہ سازوں کی میزوں تک موجود تھے اب حقیقت کا روپ دھار چکے ہیں۔وہ جنگ جس کی منصوبہ بندی کئی دہائیوں سے جاری تھی لیکن عالمی سطح پر موجود طاقتوں کے توازن کے باعث ٹلتی جا رہی تھی اب شروع ہو چکی ہے۔اس جنگ کے شروع ہونے کی وجہ بھی عالمی سطح پر طاقتوں کے توازن میں تبدیلی تھی لیکن اس جنگ کے بعد یہ توازن مزید تبدیل ہو چکا ہے بلکہ اس میں ایک معیاری جست لگ چکی ہے۔اس جنگ کا ابھی ایک ماہ مکمل ہوا ہے لیکن اس نے پورے مشرقِ وسطیٰ کو مکمل طور پر تبدیل کر کے رکھ دیا ہے اور اب یہ کبھی بھی اس جنگ سے پہلے والی صورتحال میں واپس نہیں جا سکتا۔اس پورے خطے کی سیاست اور معیشت مکمل طور پر بدل چکی ہے اور اس میں شامل ہر ملک دیوہیکل سماجی تبدیلیوں سے گزر رہا ہے۔اس کے اثرات آنے والے کئی سالوں تک مرتب ہوتے رہیں گے اور یہ جنگ ایک طویل عرصے تک نئے سماجی عوامل کو جنم دیتی رہے گی۔مشرقِ وسطیٰ سے باہر بھی دنیا بھر کی معیشتوں پر پڑنے والے اثرات سے لے کر تیل اور گیس کی سپلائی اور اس سے متاثر ہونے والی صنعتیں اس جنگ کے بعد مکمل طور پر تبدیل ہونگی اور یہ اثرات صرف انرجی کے شعبے تک محدود نہیں رہیں گے بلکہ آئی ٹی سے لے کر سیاحت تک اور بینکنگ سے لے کر زراعت تک ہر شعبہ اس سے متاثر ہوگا۔

امریکی سامراج کی پسپائی

اس جنگ میں واضح طور پر امریکی سامراج اور اس کے اتحادیوں کو شکست کا سامنا ہے اور اب وہ فرار کا رستہ ڈھونڈ رہے ہیں۔اس دوران ایران کا بدترین نقصان ہو چکا ہے۔سپریم لیڈر اور دیگر اہم قیادت کی ہلاکت کے علاوہ ایران میں ہزاروں لوگ امریکہ اور اسرائیل کے فضائی حملوں میں مارے جا چکے ہیں۔سب سے افسوسناک واقعہ مناب کے علاقے میں بچیوں کے سکول پر بمباری تھی جس میں سو سے زائد بچیوں سمیت 170 کے قریب شہادتیں ہوئیں۔اس کے علاوہ تباہی کی فہرست میں سینکڑوں ہسپتال، رہائشی عمارتیں، جوہری تنصیبات اور انرجی کا انفرااسٹرکچر شامل ہے جس میں پورے ملک کے سینکڑوں شہروں کو بدترین بمباری کا نشانہ بنایا گیا جبکہ امریکہ اور اسرائیل

کا اس کے مقابلے میں زیادہ نقصان نہیں ہوا۔لیکن اس سب کے باوجود پہلے ماہ کے اختتام تک ایران کو اس جنگ میں برتری حاصل رہی جس نے پورے خطے اور عالمی سطح پر طاقتوں کا توازن تبدیل کر دیا ہے۔امریکی سامراج کی شکست نے اس کی حدود پوری دنیا پر واضح کر دی ہیں اور اب وہ پہلے کی طرح اپنے احکامات دنیا پر مسلط نہیں کر سکے گا۔مشرقِ وسطیٰ میں اس کے اتحادیوں کو بدترین پسپائی اور خجالت کا سامنا ہے۔ایک طرف ایران خطے کی ایک بڑی طاقت کے طور پر ابھر کر سامنے آیا ہے دوسری جانب خطے کے دیگر ممالک کے عوام اپنے حکمران طبقے کی امریکی گماشتگی کیخلاف غم و غصے سے بھرے ہوئے ہیں اور یہ کسی بھی وقت پھٹ سکتا ہے۔

ایک ماہ گزرنے کے بعد بھی جنگ تو جاری ہے اور دونوں فریق ایک دوسرے پر بدترین حملے بھی کر رہے ہیں لیکن اب ساتھ ہی مذاکرات کے سلسلے کا بھی آغاز کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے اور دونوں فریق اس کے لیے نیم رضامند دکھائی دیتے ہیں۔ مذاکرات کا آغاز اسلام آباد سے کرنے کی پیشکش کی گئی ہے اور دونوں فریق بڑھ چڑھ کر اپنی شرائط پیش کر رہے ہیں اور مذاکرات میں بھی برتری حاصل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔مذاکرات کے حتمی نتیجے تک یہ جنگ چلتی رہے گی اور مذاکرات میں اگر سیز فائر کا حتمی فیصلہ کسی نہ کسی شکل میں ہو بھی جاتا ہے تو یہ زیادہ دیرپا نہیں ہو گا بلکہ دونوں جانب سے پہلے سے بڑے حملوں کی تیاری ہو گی اور طاقت کے توازن میں برتری حاصل کرنے کی تگ و دو جاری رہے گی۔

لیکن پہلے مہینے کے اختتام پر جو تاثر فیصلہ کن طور پر دنیا میں سامنے آیا ہے وہ یہ کہ امریکی سامراج کو ہرایا جا سکتا ہے اور یہ اپنی تمام تر عسکری برتری اور بحری بیڑوں کے باوجود نا قابل شکست نہیں ہے۔یہ اس جنگ کا ایک ایسا فیصلہ کن نتیجہ ہے جس نے امریکی سامراج کے زوال میں ایک معیاری جست لگائی ہے۔اس جنگ میں امریکی سامراج جو مقاصد لے کر اترا تھا وہ پورے نہیں کر سکا اور اپنی تمام تر کوششوں کے اور پوری قوت سے حملہ آور ہونے کے باوجود وہ یہ عزائم حاصل نہیں کر سکا اسی لیے امریکہ کے معذرت خواہ کوئی بھی بہانہ تراشیں یہ واضح ہو چکا ہے امریکہ کو اس جنگ کے پہلے مرحلے میں شکست کا سامنا کرنا پڑا ہے۔

جنگ کے آغاز پر ٹرمپ نے اعلان کیا تھا کہ وہ ایران میں رجیم تبدیل کر دے گا۔ یعنی وہ ملا اشرافیہ جو 1979ء سے ایران میں برسر اقتدار ہے اور پاسداران انقلاب سمیت مختلف اداروں کے ذریعے ایران میں اقتدار پر براجمان ہے اس کو اکھاڑ پھینکے گا اور اس کی جگہ اپنی کٹھ پتلی حکومت ایران پر مسلط کر دے گا۔ اس کے سامنے وینزویلا کی مثال تھی جہاں ٹرمپ اس سال کے آغاز میں ایک کامیاب آپریشن کے ذریعے اس ملک کا صدر اور اس کی بیوی کو اغوا کرنے میں کامیاب ہوا تھا اور وہاں پر موجود حکومت کا کنٹرول کسی حد تک خود سنبھال لیا تھا۔ اس آپریشن کے بعد وینزویلا کا تیل اور دیگر معدنی وسائل امریکی سامراج کی لوٹ مار کے لیے مکمل طور پر دستیاب ہو چکے ہیں۔ اس آپریشن نے ٹرمپ کے حوصلے بلند کر دیے تھے اور اسے لگتا تھا کہ وہ ایران میں بھی ایسی ہی کامیابی بزور طاقت حاصل کر لے گا۔

ایران میں گزشتہ کئی سالوں سے جاری عوامی تحریکوں نے بھی اس صورتحال میں کلیدی کردار ادا کیا تھا۔ درحقیقت اس جنگ کے تین اہم فریق ہیں، ایک طرف امریکہ، اسرائیل اور ان کے اتحادی ہیں اور دوسری طرف ایران کی ملا اشرافیہ اور سرمایہ دار طبقہ ہے جو گزشتہ 47 سالوں سے امریکی اور اسرائیلی سامراج کے مخالف ہیں۔ لیکن تیسرا اہم فریق ایران کے عوام ہیں۔ گزشتہ کئی سالوں سے ایران کی ملا اشرافیہ کی گرفت سماج پر کمزور پڑ رہی تھی اور معاشی بحران اور بدترین ریاستی جبر کیخلاف ملک گیر سطح کی عوامی تحریکیں ابھر رہی تھیں۔ خاص طور پر ستمبر 2022ء میں نوجوان لڑکی مہسا امینی کے تہران میں پولیس کے ہاتھوں قتل کے بعد شروع ہونے والی عوامی تحریک نے اس ریاست کو ہوا میں معلق کر دیا تھا۔ اس تحریک کے دوران پورے ملک میں لاکھوں افراد کے احتجاجی مظاہرے ہوئے تھے اور سکول کی بچیوں تک نے سپریم لیڈر کے پوسٹر جلا دیے تھے۔ اس وقت اگر واضح سیاسی پروگرام کے ساتھ ایک قیادت ہوتی تو محنت کش طبقے کی حمایت اور ملک گیر عام ہڑتال کے ساتھ اس انقلابی تحریک کو کامیابی سے ہمکنار کیا جا سکتا تھا۔ لیکن ایسا نہ ہو سکا اور اس تحریک کو بدترین ریاستی جبر سے کچلا گیا جس میں سینکڑوں لوگ قتل ہوئے اور ہزاروں کو قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرنا پڑیں۔ اس کے بعد کے سالوں میں بھی مختلف تحریکیں ابھرتی رہیں۔ اسی طرح اس

حالیہ جنگ سے چند ماہ قبل بھی ایران میں کرنسی کی بے لگام گراوٹ کے باعث غربت اور مہنگائی کی یلغار کے خلاف ایک شاندار عوامی بغاوت ابھر رہی تھی جسے بدترین ریاستی جبر سے کچلنے کی کوشش کی جا رہی تھی۔ مختلف ذرائع کے مطابق اس ریاستی جبر میں دس ہزار سے بھی زائد مظاہرین کو قتل کیا گیا اسی صورتحال میں دنیا پر واضح ہو چکا تھا کہ ایران کا حکمران طبقہ اپنے اقتدار کو زیادہ لمبے عرصے تک برقرار نہیں رکھ سکے گا اور کچھ ہی عرصے میں بنگلہ دیش اور سری لنکا طرز پر یہاں بہت بڑی انقلابی تحریک اس کا تختہ الٹ دے گی۔ یہ صورتحال امریکی سامراج سمیت خطے میں اس کے اتحادیوں کے لیے بھی خطرناک تھی کیونکہ انقلابی تحریک کے بعد بننے والی حکومت امریکہ اور اسکے اتحادیوں کے لیے زیادہ مشکلات کا باعث بن سکتی تھی۔ اس لیے امریکی سامراج کو لگتا تھا کہ اگر وہ خود آگے بڑھ کر فیصلہ کن انداز میں ایران پر حملہ کریں تو موجودہ رجیم کو تبدیل بھی کر سکتے ہیں اور ایران کا تیل ، دیگر معدنی وسائل اور اس کی سٹریٹجک لوکیشن کو بھی اپنے سامراجی مفادات کے لیے استعمال کر سکتے ہیں۔ ان کے سامنے شام کی مثال بھی تھی جہاں پچھلے سال بشارالاسد کی فوج ایک وقت میں اتنی کمزور ہو گئی تھی کہ تاش کے پتوں کا ڈھیر ثابت ہوئی اور مخالف قوتیں تیزی سے پورے ملک پر قابض ہو گئیں۔

شام کئی دہائیوں سے امریکہ مخالف کیمپ کا حصہ رہا ہے۔ حافظ الاسد کی قیادت میں 1970ء کی دہائی میں شروع ہونے والے انقلابی عمل کے بعد یہاں منصوبہ بند معیشت قائم کی گئی تھی اور سامراجی کمپنیوں کی لوٹ مار کا سلسلہ بند کیا گیا تھا جو بعد کی دہائیوں میں ریاست کی زوال پذیری کے باوجود کسی نہ کسی شکل میں جاری رہا۔ 2011ء میں شروع ہونے والی تحریک اور پھر خانہ جنگی میں بھی اس حکومت کو شکست نہیں دی جا سکی تھی۔ لیکن پھر ایک دم اتنے طویل عرصے بعد ریاست کا انہدام اور اس ملک میں لوٹ مار کا رستہ کھلنا ان سامراجی طاقتوں کے لیے تقویت کا باعث تھا۔ اسی طرز پر وہ ایران میں بھی اپنی اجارہ داری کی بحالی کے خواہشمند تھے جسے 1979ء میں شاہ ایران کیخلاف ہونے والے انقلاب نے اٹھا کر باہر پھینک دیا تھا۔ اس انقلاب کے بعد ایران میں شاہ اور امریکی سامراج کے تسلط کا تو خاتمہ ہو گیا لیکن ملا اشرافیہ کے ردِ انقلاب کے باعث سرمایہ دارانہ

نظام ختم نہیں کیا جا سکا۔ ملا اشرافیہ برسر اقتدار آنے کے بعد ایران میں سرمایہ دارانہ نظام کو تو محفوظ بنا گئی لیکن امریکی سامراج کے ساتھ پہلے والے تعلقات بحال نہیں کر سکی بلکہ وقت اور حالات اسے امریکی مخالفت میں انتہا پر لیجاتے گئے اور مرگ بر امریکہ کا نعرہ اس کی بقا کے ساتھ جڑ گیا۔ اسی صورتحال میں ایران امریکہ کے ساتھ فیصلہ کن جنگ کی تیاری کرتا رہا جس کا اظہار اب اس جنگ میں ہو رہا ہے۔

امریکی سامراج کی مسلط کردہ جنگ نے ایران میں جاری طبقاتی جنگ کو وقتی طور مؤخر کر دیا اور ایران کے عوام اپنی حکومت کیخلاف مخالفت کو پس پشت ڈالتے ہوئے امریکی سامراج کے ظلم اور بربریت کیخلاف یکجا ہو گئے اور ٹرمپ جو نتائج حاصل کرنا چاہتا تھا اس کے الٹ نتائج نظر آئے۔ ٹرمپ اور نیتن یاہو بار بار اعلان کرتے رہے کے عوام باہر نکل کر اس حکومت کا تختہ الٹ دیں لیکن ساتھ ہی سکولوں اور ہسپتالوں پر بمباری بھی کرتے رہے۔ اس دوران کسی انقلابی متبادل کی عدم موجودگی میں عوام کی ہمدردی فطری طور پر اپنی حکومت کے ساتھ ہوگئی اور وہ اپنے ملک کا دفاع کرنے کے لیے امریکہ اور اسرائیل کے خلاف متحد ہو گئے۔ ایران کے محنت کش طبقے نے اپنے بلند شعور کا ثبوت دیا جب اس نے سامراجی طاقتوں کا اوزار بننے سے انکار کر دیا بلکہ اس سامراجی طاقت کو شکست دینے کے عمل میں شریک ہوا۔ یہ عمل ایران کے محنت کش طبقے سمیت دنیا بھر کے محنت کش طبقے کو تقویت دے رہا ہے اور امریکی سامراج اور اس کے اتحادیوں کی شکست عالمی مزدور تحریک کے لیے آگے کی جانب ایک بہت بڑا اقدم ہے۔

لیکن اس صورتحال نے ایران کے حکمران طبقے کو اپنی گرفت دوبارہ مضبوط کرنے کا موقع بھی دیا ہے اور وہ اپنے گرتے ہوئے اقتدار کو وقتی طور پر بچانے میں کامیاب ہوئے ہیں گو کہ اس سامراجی جنگ کا اختتام ایران کے سماج میں ہونے والی تبدیلیوں کے اظہار کا بھی آغاز ہوگا اور طبقاتی جنگ ایک نئے مرحلے میں داخل ہوگی۔ ایران کا حکمران طبقہ اپنی بقا کی لڑائی لڑتے ہوئے اس جنگ کو پورے خطے میں پھیلانے میں بھی کامیاب ہوا اور جنگ کے شعلوں نے پورے مشرق وسطیٰ کو اپنی لپیٹ میں لے لیا جو پھر امریکہ اور اس کے اتحادیوں کے لیے بہت بڑا نقصان

ہے۔ایران نے خلیجی ممالک پر تابڑتوڑ حملے کیے جس کا تصور بھی نہیں کیا جا رہا تھا، اس کے علاوہ عراق، اردن اور دیگر ممالک میں بھی امریکی فوجی اڈوں پر حملے کیے۔ سب سے زیادہ نشانہ اسرائیل کو بنایا گیا۔ اسرائیل ایک طویل عرصے سے اپنی عسکری برتری کے خمار میں مبتلا تھا اور فضائی دفاعی نظام کے باعث یہ تاثر بنانے میں کامیاب ہو گیا تھا کہ اسرائیل کے اندر بم یا میزائل پھینکے ہی نہیں جا سکتے اس لیے یہ انتہائی محفوظ ملک ہے۔ گزشتہ سال ایران کے ساتھ ہونے والی بارہ روزہ جنگ میں اس تاثر کو دھچکا لگا تھا جواب بالکل ہی ٹوٹ گیا ہے۔ اسرائیل کا آئرن ڈوم، ڈیوڈ سلنگ اور ایرو کے دفاعی نظام کی تینوں پرتیں ایرانی میزائل روکنے میں مکمل طور پر کامیاب نہیں ہو سکیں اور اس کی بہت سی اہم تنصیبات اور بندرگاہ کو نقصان پہنچا جبکہ سب سے قابل ذکر دیمونا میں موجود اس کا خفیہ جوہری پلانٹ تھا جس کے قریب ایران کے میزائل پہنچنے میں کامیاب رہے۔

ٹرمپ نے جب جنگ کا آغاز کیا تو اس نے کہا تھا کہ وہ تین دن میں جنگ ختم کر دے گا، لیکن ایک مہینہ گزرنے کے باوجود جنگ جاری ہے۔ ایران پر حملے کے وقت یہ خطرہ موجود تھا کہ عالمی سطح پر تیل اور گیس کی قیمتوں میں بہت بڑا اضافہ ہو سکتا ہے جس سے دنیا میں مہنگائی اور افراطِ زر کی ایک نئی لہر آئے گی جبکہ عالمی مالیاتی بحران بھی گہرا ہو گا۔ اسی طرح یہ خدشات بھی موجود تھے کہ یہ جنگ طوالت اختیار کر سکتی ہے اور امریکہ اپنے عزائم فوری طور پر حاصل نہیں کر سکے گا۔ لیکن ٹرمپ ضرورت سے زیادہ پر اعتماد تھا اور نیتن یاہو کی جانب سے اس پر مسلسل دباؤ بھی ڈالا جا رہا تھا جس کے باعث وہ ان تمام خدشات کو نظر انداز کرتا ہوا اس جنگ میں کود پڑا۔ بعد ازاں امریکہ کے وزیر خارجہ مارکو روبیو نے اعتراف بھی کیا کہ ہم اسرائیل کے دباؤ کی وجہ سے جنگ میں کودے جبکہ ٹرمپ نے اس بیان سے اختلاف کیا۔ ٹرمپ کے مخالفین امریکہ میں اسے اسرائیل کی جنگ قرار دے رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ ہمارے لوگ اسرائیل کے لیے مارے جا رہے ہیں۔ دوسری طرف ٹرمپ کے قریبی لوگوں کا خیال تھا کہ ایران ایک طویل عرصے کی معاشی پابندیوں کے باعث کمزور ہو چکا ہے اور اس کی دفاعی صلاحیتیں کسی طور بھی امریکہ کا مقابلہ نہیں کر سکتی جس کے پاس دنیا کے جدید ترین ہتھیار، بحری بیڑے اور بمبار طیارے موجود ہیں۔ امریکہ کے ساتھ

اسرائیل بھی اس جنگ میں شریک ہوگا جس کے پاس مشرقِ وسطیٰ کا جدید ترین دفاعی نظام ہے اور اس کی فوج اپنی برتری کئی دفعہ ثابت کر چکی ہے۔اسی طرح ایران کی داخلی سیاست کا بحران بھی سامراجی طاقتوں کے ارادوں کو مضبوط کر رہا تھا۔لیکن اس جنگ نے ان تمام منصوبوں کو خاک میں ملا دیا ہے اور امریکہ اور اسرائیل اپنے ارادوں میں کامیاب نہیں ہو سکے۔

اس تمام منصوبے کی سب سے بڑی خامی یہ تھی کہ اس میں زمینی افواج کا حملہ شامل ہی نہیں تھا اور سامراجی صرف فضائی بمباری، میزائل حملوں اور معاشی ناکہ بندی کے ذریعے مطلوبہ نتائج حاصل کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔اس سے ہی امریکی سامراج اور اس کے اتحادیوں کی کمزوری عیاں ہو جاتی ہے۔کمیونسٹ پہلے بھی اس امر کی وضاحت کر چکے ہیں کہ امریکی سامراج ایک نسبتی زوال کے عہد میں داخل ہو چکا ہے اور اب اس کی طاقت گزشتہ دہائیوں کے مقابلے میں کئی گنا کم ہو چکی ہے۔اس صدی کے آغاز پر امریکی سامراج میں اتنی مالیاتی اور عسکری سکت موجود تھی کہ وہ ہزاروں میل دور عراق اور افغانستان میں جارحیت مسلط کرتے ہوئے لاکھوں کی تعداد میں زمینی فوج بھی اتار سکتا تھا اور دو دہائیوں تک ان جنگوں کے اخراجات اور اس کے اثرات بھی برداشت کر سکتا تھا۔لیکن گزشتہ ایک دہائی میں اپنے مالیاتی بحرانوں اور سیاسی و ریاستی خلفشار کے باعث وہ یہ صلاحیت کھو چکا ہے۔لیبیا، شام اور یوکرائن میں امریکی سامراج کی یہ کمزوری دنیا پر عیاں ہو گئی تھی۔اسی کمزوری کے باعث ٹرمپ نے الیکشن کمپئین میں سامراجی جنگوں کو ختم کرنے کا وعدہ کیا تھا۔اس نے کئی دفعہ یوکرائن کی جنگ کو غیر ضروری قرار دیا تھا اور کہا تھا کہ اس جنگ کو شروع ہی نہیں کرنا چاہیے تھا اور وہ اس جنگ کو ختم کرنے کی بھی مسلسل کوشش کرتا رہا گو کہ اس میں ابھی تک کامیاب نہیں ہو سکا۔

ایران پر مسلط کردہ جنگ میں اس اہم ترین کمزوری کو نظر انداز کرتے ہوئے ٹرمپ اس جنگ میں کود پڑا اور ساتھ ہی فیصلہ کن کامیابی کا خواب بھی دیکھ رہا تھا جسے وقت اور حالات نے چکنا چور کر دیا ہے۔زمینی فوج اتارے بغیر دس کروڑ کی آبادی کے ملک میں حکومت کو تبدیل کرنا، ریاستی اداروں کو منہدم کرنا اور اپنی کٹھ پتلی حکومت مسلط کرنا کسی دیوانے کا ہی خواب ہو سکتا ہے۔ایران

میں ٹرمپ کی وفادار ملیشیا یا اپوزیشن پارٹی بھی موجود نہیں تھی لیکن اس کے باوجود وہ یہ جوا کھیلنے کی طرف گیا۔ ٹرمپ ایک ماہر جواری ہے اور اس جنگ کے دوران بھی اسٹاک ایکسچینج اور پیش گوئی کی منڈی کے ذریعے اربوں ڈالر کما رہا ہے لیکن اسٹاک ایکسچینج اور کیسینو میں جوا کھیلنا کچھ اور ہے جبکہ جنگ میں اہم ترین کمزوریوں اور زمینی حقائق کو نظر انداز کرتے ہوئے جوا کھیلنا کچھ اور ہے۔ اس کا خمیازہ اب امریکی سامراج اور اس کے اتحادی بھگت رہے ہیں اور آنے والے عرصے میں دنیا بھر کی معیشت اور سیاست پر اس کے مزید اثرات بھی مرتب ہوں گے۔

جنگ کے آغاز پر ہی ٹرمپ کو اس کمزوری کا احساس ہوا تو اس نے عراق میں موجود کردوں کے ذریعے زمینی حملے کا منصوبہ بنایا لیکن اس پر ابھی تک عملدرآمد نہیں کیا جا سکا۔ اس کی ایک وجہ تو امریکی سامراج کی کردوں کے ساتھ کئی دہائیوں پر محیط غداریوں کا سلسلہ ہے جس میں ہر دفعہ کردوں کو اپنے مقاصد کے لیے استعمال کیا جاتا ہے لیکن ان سے الگ ملک بنانے کا وعدہ ہر دفعہ توڑ دیا جاتا ہے۔ شام کے کردوں کے ساتھ یہ حال ہی میں ہوا ہے جب ان کو داعش اور القاعدہ کیخلاف جنگ میں امریکی سامراج نے بھرپور حمایت دی لیکن پھر جب وہی داعش سے تعلق رکھنے والے لوگ ترکی کی سامراجی حمایت سے دمشق پر قابض ہوئے تو کردوں کو ان بھیڑیوں کے رحم و کرم پر چھوڑ کر امریکہ فرار ہو گیا۔ اس کے علاوہ ایران کے کردوں میں علیحدگی کی تحریک کبھی بھی دیگر کردوں جیسی مضبوط نہیں رہی اور نہ ہی اس وقت امریکی سامراج کی خطے میں بہت زیادہ حمایت موجود ہے۔ اس تمام صورتحال میں زمینی فوج ٹرمپ کے لیے دستیاب نہیں رہی گو کہ وہ بار بار یہ اعلان کرتا رہا کہ خارگ جزیرے پر پانچ ہزار امریکی فوجیوں کو اتار کر مکمل کنٹرول حاصل کر لے گا تا کہ ایران کی تیل کی سب سے اہم تنصیبات پر قبضہ کیا جا سکے اور ساتھ ہی آبنائے ہرمز کو کنٹرول کیا جا سکے۔ لیکن اس پر بھی عملی جامہ مشکل نظر آتا ہے اور جب دو دہائی قبل اپنی تمام تر طاقت کے باوجود لاکھوں فوجی عراق اور افغانستان میں جنگ نہیں جیت سکے تو پانچ ہزار فوج کسی ملک کے ایک حصے پر کتنی دیر قبضہ رکھ سکتی ہے۔ خاص طور پر اس وقت جب ایران میں لاکھوں لوگ اس جنگ میں جان کی قربانی کا عزم لے کر تیار بیٹھے ہیں اور انتظار کر رہے ہیں کہ کب انہیں

امریکی فوجیوں سے آمنے سامنے جنگ کرنے کا موقع ملے گا۔

آبنائے ہرمز

اس جنگ میں آبنائے ہرمز ایران کے لیے فیصلہ کن برتری کا باعث بنی ہے۔امریکہ اپنے تمام تر بحری بیڑوں، بمبار طیاروں اور جدید میزائیلوں کے باوجود ایران سے یہ اہم تجارتی رستہ نہیں کھلوا سکا۔اس سمندری رستے سے دنیا میں سمندر کے ذریعے تیل کی کُل تجارت کا بیس فیصد جبکہ گیس کا تیس فیصد گزرتا ہے۔اس کے علاہ دنیا کا بائیس فیصدل ایلومنیم بھی یہاں سے گزرتا ہے۔اس کے علاوہ فرٹیلائزر، سلفر اور دیگر اہم خام مال کی تجارت کے حوالے سے یہ گزرگاہ کلیدی اہمیت کی حامل ہے۔ایران کے قریب واقع یہ سمندری رستہ انتہائی تنگ ہے اور ایک جگہ پر محض دو میل کے قریب رستہ ہی بھاری بحری جہازوں کے گزرنے کے لیے موزوں رہتا ہے۔اس لیے اس کو کنٹرول کرنا جغرافیائی حوالے سے بھی ایران کے لیے انتہائی آسان ہے۔ایران پر کسی بھی سامراجی حملے کی منصوبہ بندی کے وقت اس تجارتی رستے کو سب سے زیادہ اہمیت دی جاتی ہے۔لیکن ٹرمپ نے اپنے ضرورت سے زیادہ خود اعتمادی اور طاقت کے نشے میں اس اہم نکتے کو نظر انداز کر دیا جو بالآخر اس کی شکست کی وجہ بن رہا ہے۔گزشتہ سال بارہ روزہ جنگ کے دوران بھی ایران نے اس تجارتی رستے کو بند کرنے کی دھمکی دی تھی گو کہ اس پر عملدرآمد نہیں کیا گیا تھا۔لیکن اس دفعہ جنگ کے آغاز پر ہی اس رستے کو ہر قسم کی آمدورفت کے لیے بند کر دیا گیا جس کے باعث بتدریج جنگ کا پانسہ پلٹنے لگا اور صورتحال ایران کے حق میں ہوتی چلی گئی۔

اس اہم تجارتی رستے کی بندش کے باعث تیل اور گیس کی قیمتوں اضافہ ہونا شروع ہوا اور کچھ ہی دنوں میں **70** ڈالر فی بیرل سے یہ **110** ڈالر بیرل سے بھی زیادہ تجاوز کر گئے۔اس کے علاوہ دبئی اور عمان کا خام تیل **160** ڈالر فی بیرل کی حد بھی عبور کر گئے۔اس تجارتی رستے کی بندش سے جہاں خلیجی مما لک کو نقصان ہوا کیونکہ وہ اپنا تیل اور گیس سپلائی نہیں کر پا رہے تھے لیکن دوسری جانب جاپان، جنوبی کوریا اور تائیوان کو بھی شدید نقصان ہوا کیونکہ ان کی تیل اور گیس کی برآمدات اسی رستے سے آتی ہیں۔

یورپ کو بھی قطر سے ملنے والی گیس کی سپلائی شدید متاثر ہوئی اور وہاں بھی گیس کی قیمتوں میں تیس فیصد سے زائد اضافہ دیکھا گیا۔اس کے علاوہ اس تجارتی رستے کی بندش کی وجہ سے دنیا بھر کی اسٹاک ایکسچینجوں میں بدترین گراوٹ اور مندی دیکھی گئی اور کھربوں ڈالر منڈیوں میں سے ختم ہو گئے۔تائیوان دنیا کی سب سے جدید مائیکرو چپس کا 90 فیصد پیدا کرتا ہے ۔ اپنی انرجی کی ضروریات کا 40 فیصد تائیوان ایل این جی سے پورا کرتا ہے اور اس ایل این جی کا ایک تہائی قطر سے آتا ہے۔تائیوان کے جی ڈی پی کا 20 فیصد انہی مائیکروچپس سے آتا ہے۔جنگ کے ایک ماہ بعد تائیوان کے پاس محض 11 دن کے ذخائر رہ گئے تھے۔تیل اور گیس کی قیمتوں میں اضافے کے ساتھ ان کی ترسیل میں بھی بہت بڑی رکاوٹ سامنے آئی۔ خطے کے دیگر ممالک میں بھی پیٹرول اور ڈیزل کے ساتھ گیس کی قلت کے بھی خدشات بڑھ گئے ۔انڈیا میں گیس کی قلت کے باعث کھانا پکانے میں دشواریاں شروع ہوگئیں اور کچھ جگہوں پر پٹرول پمپوں پر لائنیں لگنے کے مناظر بھی دیکھے گئے ۔ بنگلہ دیش، پاکستان اور دیگر بہت سے ممالک میں تعلیمی اداروں میں چھٹیاں دے دی گئیں اور تیل کی راشنگ کے لیے اقدامات کا آغاز کیا گیا۔سری لنکا اور پاکستان میں ہفتہ وار چھٹیوں میں اضافہ کیا گیا اور دیگر اقدامات کیے گئے جن سے تیل کی بچت کی جا سکے۔ پاکستان میں پہلے ہفتے ہیں پٹرول اور ڈیزل کی قیمتوں میں 55 روپے کا تاریخ کا سب سے بڑا اضافہ کیا گیا اور اب اس سے بھی بڑے اضافے کے امکانات موجود ہیں۔ایسی ہی صورتحال ایشیا کے زیادہ تر ممالک میں موجود ہے جہاں انرجی کا شدید ترین بحران مختلف ممالک کو اپنی لپیٹ میں لے سکتا ہے۔

اسی طرح فرٹیلائزر، امونیا اور دیگر زرعی خام مال کی دنیا بھر میں شدید قلت ہوتی جا رہی ہے جس کے باعث دنیا بھر کی زراعت کو نقصان پہنچ رہا ہے اور قحط سالی بڑھنے کا اندیشہ ظاہر کیا جا رہا ہے۔ اس کے علاوہ پلاسٹک بنانے والی صنعتوں اور دیگر اہم کیمیکلز کی قلت کے باعث دنیا بھر کی صنعتیں متاثر ہو رہی ہیں۔خاص کر ہیلیئم کی قلت کے باعث سیمی کنڈکٹر اور میڈیکل کی صنعتیں شدید متاثر ہو رہی ہیں۔اس سے کاروں سے لے کر کمپیوٹر تک ہر صنعت متاثر ہو گی۔ پوری دنیا میں ایک

معاشی سونامی آ چکا ہے اور اسٹاک مارکیٹیں بدترین مندی کا شکار ہیں۔ امریکہ سمیت دنیا بھر میں افراطِ زر بڑھ رہا ہے جس کے باعث مرکزی بینک شرح سود بڑھانے کی طرف جائیں گے اور پہلے سے قرضوں میں ڈوبے ملک دیوالیہ پن کی جانب بڑھ سکتے ہیں۔

ٹرمپ بار بار اس تجارتی رستے کو کھولنے کے لیے انتہائی اقدامات کی دھمکیاں دیتا رہا اور عالمی منڈی کو یقین دہانی کرواتا رہا کہ وہ اسے کسی نہ کسی طریقے سے کھلوا دے گا لیکن ہر دفعہ ناکامی اس کا منہ چڑاتی رہی۔ ایک دفعہ اس نے اپنی بحریہ کی حفاظت میں تجارتی جہازوں کو یہ رستہ پار کروانے کا عندیہ دیا لیکن اس پر عملدرآمد نہیں کروا سکا۔ پھر اس نے کہا کہ ہم نے ایران کی بحریہ اور بحری اڈوں کو شدید بمباری کے بعد تباہ کر دیا ہے اس لیے اب یہ رستہ کھل جائے گا لیکن پھر بھی نہیں کھل سکا۔ آخر تنگ آ کر اس نے کہا کہ چین، برطانیہ اور دیگر ممالک جو اس تجارتی رستے پر انحصار کرتے ہیں وہ اپنی بحریہ کے ذریعے اس رستے کو کھلوائیں لیکن اس پر بھی کسی نے حامی نہیں بھری۔

اس کو بند کرنے کے لیے ایران کے پاسداران انقلاب کی فوج نے چھوٹی کشتیوں اور پہاڑی ساحلی پٹی پر چھوٹے میزائیل اور ڈرون اڈوں کا ایک نیٹ ورک بنا رکھا ہے جسے مکمل طور پر تباہ کرنا آسان نہیں۔ ان چھوٹی کشتیوں میں میزائل یا راکٹ نصب ہیں یا پھر ان میں بارود بھر کر ریموٹ کے ذریعے بھی چلایا جا سکتا ہے۔ اس لیے یہاں سے گزرنے والے تجارتی جہازوں کو تباہ کرنا ایران کے لیے آسان ہے۔ کچھ جہاز جنہوں نے پابندی کے باوجود عبور کرنے کی کوشش کی انہیں نشانہ بھی بنایا گیا۔ اس دوران جہازوں کی انشورنس کی قیمتیں بھی آسمان کو چھونے لگیں اور ان جہازوں پر موجود سامان کی مالیت بھی بڑھنے لگی۔ اس حوالے سے عالمی تجارت اور متعلقہ ممالک کی معیشتوں کو شدید نقصان پہنچا جو ایران کے فائدے اور امریکہ کے نقصان میں تھا۔

امریکی سامراج پوری دنیا کا تھانیدار ہونے کا دعویدار ہے اور اس کی پہلی شرط یہ ہے کہ دنیا میں موجود تمام تجارتی رستے اس کے زیر کنٹرول ہوں گے تاکہ عالمی تجارت میں کسی قسم کی رکاوٹ نہ آ سکے۔ لیکن اس اہم ترین تجارتی رستے کی بندش اور امریکہ کی اسے کھلوانے میں مسلسل ناکامی نے امریکہ کی عالمی سپر پاور ہونے کی ایک بنیادی شرط پر ہی کاری ضرب لگا دی ہے جس سے سنبھلنے کا

اسے دوبارہ شاید موقع نہ مل سکے۔ ایران نے اس صورتحال کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے اثر ورسوخ میں مزید اضافہ شروع کر دیا ہے اور اپنی شرائط پر وہاں سے تجارتی جہازوں کو گزارنے لگا ہے۔ ایران نے ایک اعلان یہ بھی کیا ہے کہ یہاں سے گزرنے والے جہازوں کو قیمت ادا کرنی ہوگی جو بیس لاکھ ڈالر فی جہاز تک بھی پہنچ چکی ہے۔ اس کے علاوہ یہ اعلان بھی کیا ہے کہ دوست ممالک کی طرف جانے والے جہازوں کو ایران اجازت دے گا لیکن امریکہ، اسرائیل اور دیگر دشمنوں کے جہاز یہاں سے نہیں گزر سکیں گے۔ اسی طرح ایران نے چینی کی کرنسی یوان میں بھی یہاں سے گزرنے کی قیمت وصول کرنے کا اعلان کیا ہے جو دنیا بھر میں امریکی ڈالر کی اجارہ داری کے لیے ایک بہت بڑا دھچکا ہے۔

عالمی سطح پر تیل کی بڑھتی ہوئی قیمتوں کو روکنے کے لیے ٹرمپ نے جو اقدامات کیے ان سے بھی امریکہ کی گرفت مضبوط ہونے کی بجائے مزید کمزور ہوئی۔ ایک طرف عالمی انرجی ایجنسی نے امریکہ اور دیگر ممالک کے تیل کے ریزرو ذخائر ریلیز کرنے کا اعلان کیا جو صرف انتہائی ہنگامی حالت کی صورت میں ہی ممکن ہوتا ہے۔ خود امریکہ میں تیل کے ریزرو ذخائر کا ریلیز کیے جانا ایک انتہائی شرمناک اور شکست خوردہ اقدام سمجھا جاتا ہے اور بائیڈن کے دور حکومت میں ٹرمپ نے اس پر اس اقدام پر شدید تنقید بھی کی تھی جب یوکرائن جنگ میں یہ قدم اٹھایا گیا تھا۔ اسی طرح ٹرمپ نے روس کے تیل پر عائد پابندیوں کو بھی تیس دن کے لیے ہٹانے کا فیصلہ کیا۔ یوکرائن جنگ کے آغاز پر روس کے تیل اور گیس کی فروخت پر سخت پابندیاں عائد کر دی گئیں تھیں جس کا یورپ کی معیشتوں کو شدید نقصان بھی پہنچا تھا۔ لیکن اپنے سامراجی مفادات کے تحفظ کے لیے وہ معاشی نقصان کا یہ کڑوا گھونٹ پی گئے تھے اور روس کی بجائے امریکہ اور دیگر ممالک سے تیل خرید رہے تھے جبکہ گیس کے لیے قطر پر انحصار کر رہے تھے۔ لیکن موجودہ صورتحال نے ان کے لیے مزید مشکلات کھڑی کر دی تھیں جبکہ تیل کی قیمتوں میں بتدریج اضافہ بھی دنیا بھر کی معیشتوں کو مزید بحران میں دھکیل رہا تھا۔ ایسے میں روس کے تیل پر سے پابندی ہٹا کر وقتی فائدہ حاصل کرنے کی کوشش کی گئی لیکن درحقیقت اپنے دشمن کو ہی رعایت بھی دی گئی وہ بھی جنگ کے دوران۔ اس کے

بعد روس جو پہلے اپنا تیل پابندیوں کے باعث 40 ڈالر فی بیرل بیچ رہا تھا وہ 100 ڈالر کا بیچنے لگا اوراس کے پاس خریداروں کی تعداد بھی بڑھ گئی۔ اس کا حتمی طور پر نقصان بھی امریکی سامراج کو ہی ہوا۔ اس سے بھی مسئلہ حل نہیں ہوا تو ٹرمپ نے ایران کے تیل کی فروخت پر پابندیاں بھی عارضی طور پر ختم کر دیں جس کے بعد ایران بھی اپنا تیل منڈی میں پوری قیمت پر فروخت کر سکتا ہے۔ اس پالیسی میں خود امریکہ میں بہت سی تنقید ہوئی کہ یہ کیسی جنگ ہے جس میں ہم اپنے دشمن کی ہی بالواسطہ مالی امداد کر رہے ہیں۔

آبنائے ہرمز پر کنٹرول واپس لینے کے امریکہ کے تمام منصوبے ابھی تک کامیاب نہیں ہو سکے اور وہ جنگ کے اختتام پر ہونے والے مذاکرات میں یہ کنٹرول واپس لینے کی کوشش کرے گا۔ لیکن ایران کسی طور بھی پوری طرح یہ کنٹرول ختم نہیں کرے گا۔ اگر وقتی طور پر اس سے پیچھے بھی ہٹتا ہے تو یہ خطرہ موجود رہے گا کہ وہ کسی وقت بھی دوبارہ آسانی سے یہ کنٹرول حاصل کر سکتا ہے۔

اس سے بچنے کے لیے متبادل رستوں کی تلاش بھی جاری ہے۔ سعودی عرب نے جدہ کی طرف موجود اپنی ینبع بندرگاہ کے ذریعے متبادل رستہ اختیار کیا ہے جس کے تحت اس کے تجارتی جہازوں کو خلیج سے گزرنا ہی نہیں پڑتا اور وہ براہ راست بحیرۂ احمر سے سفر کا آغاز یا اختتام کرتے ہیں۔ ایران نے اس کو روکنے کے لیے ان بندرگاہوں پر مبینہ طور پر حملے بھی کیے ہیں لیکن یہ پوری طرح کامیاب نہیں ہو سکے۔ سعودی عرب نے اس مقصد کے تحت پہلے ہی ایک پائپ لائن بچھا رکھی ہے جو ملک کے مشرقی حصے کے تیل کے ذخائر کو مغربی بندرگاہ سے جوڑتی ہے۔ دوسری جانب بحیرۂ احمر میں ایران کے اتحادی یمن میں حوثیوں کی شکل میں موجود ہیں جو باب المندب کے مقام پر اس تجارتی رستے کو بھی روک سکتے ہیں، لیکن ابھی اس کا آغاز نہیں کیا گیا۔

دوسری جانب متحدہ عرب امارات نے بھی خلیج کو بائی پاس کرنے کے لیے الفجیرہ کی بندرگاہ کو استعمال کرنے کی کوشش کی جو براہ راست خلیج عمان میں کھلتی ہے اور وہاں آنے والے بحری جہازوں کو آبنائے ہرمز سے نہیں گزرنا پڑتا۔ لیکن ایران اس کو بند رکھنے میں کامیاب رہا ہے اور الفجیرہ پر میزائل حملوں کے ذریعے تنصیبات کو تباہ کر کے اس بندرگاہ کو ناقابل استعمال بنایا

ہے۔آنے والے عرصے میں اس تجارتی رستے پر سیاست اور کشیدگی جاری رہے گی اور ساتھ ہی متبادل رستوں پر بھی کام چلتا رہے گا لیکن اس صورتحال نے اس اہم تجارتی گزرگاہ اور اس سے جڑی درجنوں ممالک کی معیشتوں کو یکسر تبدیل کر دیا ہے۔ خطے میں طاقتوں کا مسلسل تبدیل ہوتا ہوا توازن اس تجارتی گزرگاہ پر بھی اثر انداز ہوتا رہے گا۔لیکن یہ طے ہو چکا ہے کہ امریکہ یہاں پر ماضی جیسا کردار ادا نہیں کر سکے گا اور اس کی گرفت اس خطے پر مسلسل کمزور ہوتی چلی جائے گی۔

خلیجی ممالک

اس جنگ کا سب سے زیادہ نقصان خلیجی ممالک کو ہوا جن کی معیشتیں سب سے زیادہ متاثر ہوئیں اور ان کی سرمایہ کاری کے لیے موزوں حیثیت ختم ہو کر رہ گئی ہے۔ان کی دفاعی اور سٹریٹیجک صلاحیت بھی شدید خطرے میں ہے اور خطے میں ان کا اثر ورسوخ آنے والے عرصے میں مزید کم ہونے کی طرف جائے گا۔ایران نے جنگ سے پہلے ہی واضح کر دیا تھا کہ اگر امریکہ اور اسرائیل نے جنگ مسلط کی تو وہ خطے میں موجود تمام امریکی فوجی اڈوں کو نشانہ بنائے گا۔لیکن امریکہ نے اس دھمکی کو نظر انداز کر دیا۔گزشتہ سال ہونے والی بارہ روزہ جنگ کے آخری دن ایران نے قطر میں موجود امریکی فوجی اڈے العدید ائیر بیس پر پہلی دفعہ میزائیل داغے تھے جس سے اس کے ارادے واضح ہو گئے تھے۔اس وقت یہ بھی واضح ہو گیا تھا کہ مشرقِ وسطیٰ میں یہ محفوظ خطہ اب زیادہ عرصے تک محفوظ نہیں رہے اور خطے میں پھیلتے جنگ کے شعلے اس خطے کو بھی اپنی لپیٹ میں لیں گے۔

اس جنگ کے آغاز پر ہی ایران نے اپنے اعلان کے مطابق ان خلیجی ممالک میں موجود تمام امریکی فوجی اڈوں کو نشانہ بنانا شروع کر دیا۔اس کے بعد جب امریکی اور اسرائیلی حملوں میں وسعت آئی اور وہ شہری آبادی، بندرگاہوں اور بجلی اور گیس کے انفرااسٹرکچر کو نشانہ بنانے لگے تو جوابی کاروائی کرتے ہوئے ایران نے بھی خلیجی ممالک کی بندرگاہوں، تیل کے ذخائر اور امریکی فوجیوں کی رہائش گاہوں پر حملے شروع کر دیے۔اس میں بحرین اور متحدہ عرب امارات سب سے زیادہ زد میں آئے جبکہ کویت، قطر اور سعودیہ پر بھی حملے جاری رکھے گئے۔سعودی عرب میں آرامکو کی ایک

بڑی تیل کی ریفائنری اور بندرگاہ راس تنورۃ پر بھی حملہ کیا گیا جس کے بعد اسے وقتی طور پر بند کیا گیا۔اسی طرح قطر میں موجود دنیا کے سب سے بڑے گیس کے پلانٹ کو بھی نشانہ بنایا گیا اور اس کا 17 فیصد حصہ بند کرنا پڑا۔اس سے قطر کو اندازاً بیس ارب ڈالر کا نقصان پہنچا۔اسی طرح کویت میں بھی اہم تنصیبات کو نشانہ بنایا گیا۔

ان حملوں کو روکنے کے لیے یہ ممالک امریکی دفاعی نظام پر انحصار کرتے ہیں اور سینکڑوں ارب ڈالر مالیت کا دفاعی نظام امریکہ سے منگوا کر وہاں نصب کیا گیا ہے۔اس دفاعی نظام کی موجودگی کے باوجود ایرانی میزائل اور ڈرون یہ حصار توڑ کر داخل ہوتے رہے، خاص کر ایرانی ساختہ شاہد 136 ڈرون سب سے کاری وار کرتا گیا۔یہ بیس ہزار ڈالر مالیت کا ڈرون لاکھوں ڈالر مالیت کے میزائلوں پر بھاری رہا اور ان ممالک کو خاطر خواہ نقصان پہنچاتا رہا۔درحقیقت اس جنگ میں ایران نے واضح کیا ہے کہ دنیا کی جدید اور مہنگی ترین ٹیکنالوجی کا مقابلہ انتہائی سستے ہتھیاروں سے بھی کیا جاسکتا ہے۔ایران کی اس جنگ میں کامیابی کی شرط یہ تھی کہ وہ اس کو جتنا طول دیتا رہے اور کسی نہ کسی شکل میں مقابلہ کرتا رہے یا دوسرے الفاظ میں میدان میں کھڑا رہے تو وہ کامیاب ٹھہرے گا لیکن دوسری طرف امریکہ کی کامیابی کی شرط یہ تھی کہ وہ فوری اور فیصلہ کن کامیابی حاصل کرے اور جنگ کو اپنی شرائط پر جلد از جلد ختم کرے۔ جنگ کی طوالت امریکہ کی ہار ہے۔ایران ابھی تک اس جنگ کو طول دینے میں کامیاب رہا ہے اور اپنا بقا کرنے میں کامیاب ہوا جبکہ امریکہ بقا کی اس لڑائی میں ایران کو مکمل شکست نہیں دے سکا اس لیے اسے امریکہ کی ہار ہی کہا جائے گا۔

اس صورتحال میں متحدہ عرب امارات میں سیاحت اور سرمایہ کاری میں شدید بحران آچکا ہے اور لاکھوں لوگ ملک چھوڑ کر فرار ہو رہے ہیں۔تعمیراتی منصوبوں سے لے کر آئی ٹی شعبے اور ڈیٹا سنٹر تک کا کاروبار ٹھپ ہو چکا ہے اور اس کی معیشت انتہائی دگرگوں کیفیت میں ہے۔تارکین وطن کی محنت کے استحصال پر جاری اس معیشت کا مستقبل انتہائی مخدوش ہے۔گزشتہ عرصے میں متحدہ عرب امارات خطے کی سامراجی طاقت کے طور پر ابھرنے کی کوشش کر رہا تھا۔خاص طور پر اسرائیل کے ساتھ ابراہام معاہدے کے بعد اس کے اس کردار میں تیزی آئی تھی۔اس نے لیبیا، سوڈان

،صومالیہ، یمن اور دیگر ممالک کی خانہ جنگیوں میں براہ راست مداخلت کی تھی اور باغی افواج کو اسلحہ فراہم کرنے کے ساتھ سونے اور چاندی کے قیمتی ذخائر کی بے دریغ لوٹ مار بھی کی تھی جس میں اسے اسرائیل کی مکمل آشیر باد حاصل تھی۔ اس دوران اس کے سعودی عرب کے ساتھ شدید تنازعات بھی ابھرے تھے اور دونوں ایک دوسرے خلاف یمن میں جنگ بھی لڑ رہے تھے۔لیکن اس جنگ نے متحدہ عرب امارات کے خطے میں اس ابھرتے کردار کو بھی زد پہنچائی ہے اور وہ اب پہلے کی نسبت انتہائی کمزور حالت میں چلا گیا ہے۔ بحرین کی صورتحال بھی مختلف نہیں جہاں امریکی بحریہ کے پانچویں بیڑے کا ہیڈکوارٹر ہے۔ یہاں بھی امریکہ کا ایک قیمتی ریڈار تباہ ہوا ہے جبکہ دیگر تنصیبات پر بھی بڑے حملے کیے گئے ہیں۔ بحرین میں اسی فیصد آبادی شیعہ ہے جن کی ہمدردیاں ایران کے ساتھ ہیں جبکہ حکمران سنی ہیں اور ایران کے شدید خلاف ہیں۔اس جنگ کے آغاز پر ایک دفعہ پھر حکمرانوں کیخلاف عوامی تحریک کا آغاز ہو گیا تھا جسے انتہائی جبر کے ساتھ کچلا گیا۔

کویت کی معیشت کو بھی شدید نقصان پہنچا ہے اور تیل کی سپلائی میں رکاوٹیں آ رہی ہیں۔اس کے علاوہ کویت کی جانب سے امریکہ کے تین لڑاکا طیارے بھی غلطی سے گرائے گئے گو کہ پائلٹ محفوظ رہے۔ یہاں بھی سماجی ہیجان بڑھ رہا ہے۔سب سے مخدوش صورتحال سعودی عرب کی ہے جو خلیجی ممالک کے اتحاد کی سربراہی بھی کرتا ہے۔اس نے گزشتہ سال پاکستان کے ساتھ دفاعی معاہدہ کیا تھا اور حملے کی صورت میں پاکستان کی مدد کا اختیار رکھتا ہے جسے اس جنگ میں بارہا دہرایا گیا اور یہ بھی کہا گیا کہ سعودی عرب اپنے دفاع کے لیے پاکستان کے جوہری ہتھیاروں کو بھی استعمال کرنے کا حق رکھتا ہے۔لیکن دوسری طرف یہ تمام ممالک ایران پر براہ راست حملے سے اجتناب بھی کر رہے ہیں بلکہ جنگ سے پہلے واضح طور کہا گیا کہ یہ ممالک اپنی سرزمین ایران پر حملے کے لیے ہرگز نہیں دیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ امریکہ کو اپنے بحری بیڑے پر زیادہ انحصار کرنا پڑا۔ابھی بھی یہ ممالک ایران پر براہ راست جنگ میں شامل ہونے سے گریز کر رہے ہیں اور صورتحال کو اسی جگہ پر کنٹرول کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ یہ اطلاعات بھی موجود ہیں کہ سعودی عرب اور دیگر ممالک پر کچھ حملے ایران کی جانب سے نہیں بلکہ اسرائیل کی طرف سے کیے گئے تا کہ ان ممالک کو جنگ

میں گھسیٹا جا سکے۔ لیکن ابھی تک یہ کوشش مکمل طور پر کامیاب نہیں ہوئی۔

لیکن دوسری طرف ان ممالک کے حکمرانوں میں ایران کی علاقائی برتری کا خوف بھی موجود ہے اور انہیں لگتا ہے کہ اسی توازن پر اگر جنگ ختم ہو جاتی ہے تو ایران خلیج میں سب سے بڑی طاقت بن کر ابھرے گا جس کے باعث ان ممالک کے لیے مشکلات میں مزید اضافہ ہو گا۔ دوسری طرف امریکہ کی شکست ان ممالک کے دفاع اور معیشت کو فیصلہ کن انداز میں تبدیل کر کے رکھ دے گی۔

ان کے لیے سب سے بڑا خطرہ اپنے ملک کے عوام کی بغاوت کا خوف ہے جو 2011ء کے عرب انقلابات کے بعد سے منڈلا رہا ہے لیکن ابھی تک ٹلتا جا رہا ہے۔ فلسطین پر اسرائیل کی بدترین بربریت کے دوران بھی ان ممالک کے حکمرانوں کی خاموشی نے ان ممالک کے عوام میں گہرے غم وغصے کو جنم دیا تھا۔ اس جنگ کے بعد ان حکمرانوں کی امریکی گماشتگی بھی واضح ہو چکی ہے اور یہ بھی دیکھا جا چکا ہے کہ امریکہ کا مقابلہ کیا جا سکتا ہے اور اسے ہرایا بھی جا سکتا ہے۔ ان ممالک کی نہ تو ایران کی طرز پر کوئی اپنی منظّم فوج ہے اور نہ ہی اپنی معیشت یہ امریکہ کی مدد کے بغیر چلا سکتے ہیں۔ یہ تمام خلیجی ممالک محض امریکی یا اسرائیلی کٹھ پتلی کے طور پر موجود رہے ہیں اور تمام تر وسائل کی موجودگی کے باوجود اپنی آزادانہ معیشت اور ریاست تشکیل نہیں دے سکے۔ درحقیقت ان کے معاشی ابھار کا صحیح آغاز 1979ء کے انقلاب ایران کے بعد ہوا تھا۔ اس سے پہلے اس خطے میں امریکی تھانیدار کے فرائض شاہ ایران سرانجام دیتا تھا۔ لیکن اس کے ایران سے بھاگنے کے بعد امریکہ اور مغربی سامراجی طاقتوں نے ان ممالک کو اپنے اڈوں کے طور پر ترقی دی اور خطے میں ان کے کردار کو بڑھاوا ملا۔

لیکن اس جنگ نے صورتحال کو تبدیل کر دیا ہے اور ان ممالک کے سروں پر بحرانوں کے خطرات منڈلا رہے ہیں۔ ان ممالک کا بحران یہاں کام کرنے والے لاکھوں تارکین وطن کے روزگار پر بھی اثرات مرتب کرے گا اور ان کی طرف سے بھیجی جانے والی رقوم جن پر پاکستان، بنگلہ دیش، نیپال جیسے کئی ممالک کی معیشتیں انحصار کرتی ہیں ان پر بھی اثرات مرتب ہوں گے۔ اس کے علاوہ تیل اور گیس کی سپلائی میں رکاوٹیں بھی ان کی مشکلات بڑھاتی چلی جائیں گی۔

ان ممالک کو ایک بڑا نقصان ہوائی سفر کی بندش کی وجہ سے بھی ہوا ہے۔خلیجی ممالک کی ائیر لائنز دنیا کی سب سے بڑی اور نامور ائیر لائنز بن چکی تھیں جن میں قطر، امارات، اور ابوظہبی ائیر لائن سرفہرست تھیں۔ان ممالک کے ائر پورٹس دنیا میں ہوائی سفر کرنے والوں کا اہم مرکز بن چکے تھے اور ہر روز ہزاروں پروازیں ان ممالک کے ذریعے سفر جاری رکھتی تھیں۔ان ممالک کی آمدن کا ایک بڑا ذریعہ بھی یہی ائر لائنز بن چکی تھیں۔لیکن اس جنگ کے دوران ان کو بہت زیادہ نقصان پہنچا ہے۔ جنگ کے ایک مہینے کے دوران بہت سے ائر پورٹوں بالخصوص دبئی ایر پورٹ پر متعدد حملے ہوئے ہیں اور فضائی سفر بندش کا شکار رہا ہے۔اس کے علاوہ بہت سے لوگوں نے ان ممالک کو بائی پاس کر کے ہی فضائی سفر اختیار کیا ہے اور متبادل اڈے تلاش کیے ہیں جن میں استنبول سر فہرست ہے۔آنے والے عرصے میں ان ائر لائنز کی پہلے والی سطح پر بحالی میں وقت لگے گا اور شاید کچھ نقصان مستقل طور پر اثرات مرتب کرے۔اسی طرح ان ممالک کی بندرگاہوں اور وہاں سے سفر کرنے والے ہزاروں مال بردار بحری جہازوں کی آمد و رفت کو بھی نقصان پہنچا ہے۔یہ بندرگاہیں پوری دنیا میں مال برداری کے لیے سمندری سفر کے حوالے سے ایک اہم مرکز تھیں خاص کر تیل اور گیس کی ترسیل کے لیے۔اس کے علاوہ ایشیا کے بہت سے ممالک کی برآمدات اور درآمدات انہی بندرگاہوں کے ذریعے ہو رہی تھی جس میں اب تعطل آ چکا ہے۔متحدہ عرب امارات کی معیشت کا ایک چوتھائی سے زیادہ حصہ دکانوں اور شاپنگ سنٹرز سے فروخت سے جڑا ہوا ہے جن میں لگژری آئٹمز کی ایک بڑی منڈی بھی موجود تھی لیکن جنگ کی وجہ سے یہ بھی متاثر ہوئی ہے اور اس سال رمضان کے مہینے میں کچھ بڑے سٹوروں پر شاپنگ میں 60 فیصد تک کمی دیکھی گئی ہے۔اس سے روزگار کے مواقعوں سمیت معیشت کے ہر شعبے پر پڑیں گے۔

آنے والے عرصے میں اگر ایران جنگ میں سے کوئی قابل ذکر معاہدہ کر کے نکلنے میں کامیاب ہو جاتا ہے تو اپنے اوپر موجود پابندیاں کھلوانے کی بھی کوشش کرے گا اور سمندری اور فضائی سفر میں ان خلیجی ممالک کے مدمقابل ایک بڑی قوت بننے کی کوشش کرے گا۔اگر ایسا نہیں بھی ہوتا تو بھی آبنائے ہرمز میں اپنے کنٹرول کو مستحکم کرتے ہوئے ان ممالک سے تاوان وصول کرتا رہے گا جس

میں اسے چین اور روس کی بھی حمایت حاصل ہوگی۔

ان ممالک کے لیے ایران کے علاوہ سب سے بڑا خطرہ اسرائیل ہے جو پورے خطے میں اپنا اثر ورسوخ بڑھاتا چلا جارہا ہے۔ شام میں بشارالاسد کی حکومت کے خاتمے کے بعد اسرائیل نے جولان کی پہاڑیوں پر اپنے قبضے کو وسعت بھی دی ہے اور مستحکم بھی کیا ہے اور اب دیگر علاقوں پر قبضے کی کوشش کر رہا ہے جہاں اس کا ٹکراؤ ترکی کے سامراجی عزائم کے ساتھ ہو رہا ہے۔ اسی طرح اس جنگ میں جنوبی لبنان میں زمینی مداخلت کی بھی کوشش کی ہے اور اس کے دریائے لیطانی تک کے بیس میل تک کے علاقے پر قبضہ بھی کرنا چاہتا ہے۔ غزہ اور مغربی کنارے پر تو اپنے خونی پنجے گاڑنے کی کوشش کر ہی رہا ہے۔ اس کے علاوہ مشرقی افریقہ میں صومالیہ کے ایک علاقے کو علیحدہ کر کے وہاں پر اپنی کٹھ پتلی حکومت بنا چکا ہے اور اس نئے ملک صومالی لینڈ کو تسلیم کرنے والا پہلا ملک اسرائیل ہی ہے۔

ایسے میں متحدہ عرب امارات، بحرین اور اومان کے ساتھ اس کے ابراہام معاہدے بہت بڑی تبدیلی کا باعث بنے ہیں۔ لیکن اس جنگ کے بعد اسرائیل کو دفاعی اور سیاسی لحاظ سے بہت بڑا نقصان پہنچا ہے اور اس کا ناقابل تسخیر ہونے کا تاثر زائل ہوا ہے۔ جنگ کے دوران ابھرنے والا طاقت کا توازن ابھی مکمل طور پر ایران کے حق میں نہیں ہوا اور اسرائیل امریکی سامراج کی حمایت سے اپنی کاروائیاں جاری رکھے گا۔ پہلے بھی اسرائیل قطر پر فضائی حملے کر چکا ہے اور وہاں گزشتہ سال حماس کے ساتھ کیے جانے والے امن مذاکرات کو براہ راست سبوتاژ کر چکا ہے۔ اس پر قطر نے امریکہ سے سخت شکایت بھی کی تھی جس کے جواب میں امریکہ نے اسے دلاسا بھی دیا تھا۔ اس کے علاوہ ٹرمپ باقی خلیجی ممالک پر بھی زور دیتا آیا ہے کہ وہ اسرائیل کے ساتھ ابراہام معاہدے کریں لیکن سعودی عرب سمیت دیگر ممالک ہچکچا رہے ہیں جس کی وجہ ان کے اپنے عوام کا دباؤ ہے ۔اگر وہ ایسا معاہدہ کرتے ہیں تو فلسطین کی آزادی کی تحریک سے ان کی غداری پر مہر ثبت ہو جائے گی اور ان ممالک کے حکمران عوام کے غیض وغضب کا شکار ہو سکتے ہیں۔ درحقیقت حماس کے 7 اکتوبر 2023ء کو اسرائیل پر کیے جانے والے بڑے حملے کی وجہ بھی یہی تھی کہ وہ سعودی

عرب کے ساتھ اسرائیل کے معاہدے کو سبوتاژ کر سکے اور اس میں انہیں کامیابی بھی ملی ہے گو کہ اس دوران اسرائیل نے امریکی پشت پناہی سے بربریت کی ایک نئی مثال رقم کی اور لاکھوں فلسطینیوں کو قتل کرنے کے علاوہ پورے غزہ کو ملبے کا ڈھیر بنا دیا ہے۔

اس کے بعد ٹرمپ نے گزشتہ سال ان خلیجی ریاستوں کا دورہ بھی کیا اور انہیں امریکہ میں ہزاروں ارب ڈالر کی سرمایہ کاری کے لیے آمادہ بھی کیا۔ یہ خلیجی ممالک بھی اس پر خوش تھے کہ ٹرمپ کے ساتھ تعلقات بھی بہتر ہو گئے اور اسرائیل کے ساتھ معاہدہ بھی نہیں کرنا پڑا۔ لیکن اب صورتحال ان کے لیے مزید بدتر ہو گئی ہے۔ ایران کے ساتھ جنگ کے دوران امریکہ نے ان ممالک کے دفاع کو کافی حد تک نظرانداز کیا اور یہاں موجود دفاعی تنصیبات کی حفاظت کے لئے ترجیحی بنیادوں پر میزائیل فراہم نہیں کئے بلکہ اس کے موازنے میں اسرائیل کو مکمل سپورٹ فراہم کی بلکہ ایک طیارہ بردار بحری جہاز یو ایس ایس جیرالڈ مکمل طور پر اسرائیل کی حفاظت کے لیے تعینات رہا تا کہ ایران سے آنے والے میزائیلوں اور ڈرون کو روک سکے۔ حالانکہ اس کے لیے اسرائیل کے پاس تین پرتوں پر مبنی اپنا دفاعی نظام اور پھر اردن میں موجود امریکی فوجی اڈہ بھی موجود تھا۔ اسی طرح خلیجی ممالک کو ہونے والے معاشی نقصان کا خمیازہ بھرنے میں بھی وقت لگے گا اور امریکہ شاید اس میں بھی زیادہ مدد نہ کر سکے۔ اس جنگ کے بعد یہ کھل کر واضح ہو چکا ہے کہ امریکی سامراج اور دیگر مغربی سامراجی طاقتوں کے لیے خطے میں سب سے با اعتماد اتحادی اسرائیل ہی ہے اور باقی ممالک اس کے اتحادی ضرور ہیں لیکن وقت پڑنے پر ان کی بلی بھی چڑھائی جا سکتی ہے۔ یہ تاثر پہلے بھی موجود تھا لیکن اس جنگ نے اس حقیقت کو سب پر عیاں کر دیا ہے۔ اس کے بعد ان خلیجی ممالک کے لیے بھی امریکہ پر مکمل اعتماد کرنا اب پہلے کی طرح ممکن نہیں رہا اور وہ بھی متبادل تلاش کریں گے۔ پہلے ہی سعودی عرب روس کے ساتھ مل کر عالمی سطح پر تیل کی قیمتوں کو کنٹرول کرنے کی کوششیں کرتا رہا ہے۔ اسی طرح سعودیہ اور ایران کے درمیان تعلقات کی بحالی بھی بیجنگ میں دو سال قبل ہونے والے ایک اجلاس میں ہوئی جس میں دونوں ممالک نے اپنے سفارت خانے ایک دوسرے کے ملک میں دوبارہ کھولنے کا آغاز کیا۔ آنے والے عرصے میں متبادل کی تلاش کا یہ

رجحان مزید بڑھے گا۔سعودی عرب پاکستان کے ساتھ موجود دفاعی معاہدے میں ترکی کو شامل کرنے پر بھی غور کر رہا ہے جس پر پاکستان کو بھی کوئی اعتراض نہیں۔آنے والے عرصے میں خطے میں جاری یہ کشمکش مزید شدت اختیار کرے گی۔

اسی طرح ان ممالک کا اپنی دفاعی صلاحیتوں پر انحصار بھی بڑھے گا جبکہ یہ خطے سمیت عالمی سطح پر مختلف سامراجی طاقتوں کے کھیل میں سارے انڈے ایک ہی ٹوکری میں ڈالنے کی بجائے سب کے ساتھ تعلقات بنانے کی کوششیں تیز کریں گی۔لیکن اس دوران ان ممالک کا ریاستی بحران بھی گہرا ہوگا اور مختلف شاہی خاندانوں میں جاری اندرونی چپقلشیں بھی شدت اختیار کریں گی جبکہ ان ممالک میں معاشی اور سیاسی بحران بھی شدت اختیار کرے گا۔کسی ایک ملک میں بڑی عوامی تحریک پوری صورتحال کو یکسر تبدیل کر دے گی اور سرمایہ دارانہ نظام کے خلاف ایک فیصلہ کن لڑائی کا آغاز بھی ہوسکتا ہے۔

فلسطین اور لبنان

ایران جنگ کے آغاز کی ایک وجہ فلسطین میں جاری اسرائیل کی بربریت ہے جو 7 اکتوبر 2023ء کے حماس پر اسرائیل پر حملوں کے بعد سے جاری ہے۔اس بربریت کیخلاف پوری دنیا کے محنت کش عوام میں غم وغصہ موجود ہے اور پوری دنیا میں اس بربریت کیخلاف لاکھوں لوگوں نے درجنوں احتجاج ریکارڈ کروائے ہیں۔سب سے بڑے احتجاج یورپ،امریکہ اور کینیڈا میں ہوئے ہیں جن میں لاکھوں لوگوں نے ملک گیر سطح پر شرکت کی تھی۔نیویارک میں تو یونیورسٹیوں کے طلبہ نے کیمپس پر قبضوں کا آغاز بھی کر دیا تھا جو پورے امریکہ میں پھیل گیا۔یہاں تک نیویارک کا حال ہی میں منتخب ہونے والا نیا میئر ظہران ممدانی روٹی، کپڑے اور مکان کے نعروں کے علاوہ فلسطین کی حمایت کا بھی کھل کر اعلان کرتا رہا اور اسی وجہ سے الیکشن جیتنے میں کامیاب ہوا۔اسرائیل کی اس بربریت کے خلاف اٹلی محنت کشوں نے ایک ملک گیر عام ہڑتال بھی منظم کی اور مطالبہ کیا کہ اس بربریت کو فوری طور پر ختم کیا۔یہ انتہائی طاقتور ہڑتال تھی جو کسی معاشی مطالبے یا اٹلی کی سیاست کے حوالے سے تبدیلی پر نہیں تھی بلکہ فلسطین کی حمایت میں تھی۔اس عام ہڑتال کے

دوران پورا اٹلی مکمل طور پر جام ہو گیا اور بندرگاہوں سے لے ٹرینوں تک ہر طرف مکمل ہڑتال نظر آئی۔ اس ہڑتال سے متاثر ہو کر فرانس، اسپین اور دیگر ممالک میں بھی عام ہڑتال کی تیاری ان خطوط پر کی جا رہی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ ٹرمپ اور نیتن یاہو تیزی سے ایک سیز فائر کا نام نہاد معاہدہ کرنے کی طرف گئے لیکن ساتھ ہی ٹرمپ نے بورڈ آف پیس بنانے کا شوشہ بھی چھوڑ دیا۔

اس نام نہاد جنگ بندی کے بعد بھی اسرائیل فلسطین پر مسلسل حملے کر رہا ہے اور غزہ میں رہنے والوں کو آگ اور خون میں دھکیل چکا ہے۔ اس کے علاوہ مغربی کنارے میں بھی یہودی آباد کاروں کی جبری آمد کا سلسلہ جاری ہے اور مقامی آبادی کو زبردستی گھروں سے نکالا جا رہا ہے۔ لیکن دوسری طرف اسرائیل حماس کو مکمل طور پر ختم کرنے میں بھی ناکام ہو چکا ہے اور فلسطینیوں کی مزاحمت کسی نہ کسی شکل میں آج بھی موجود ہے۔ حماس کے بہت سے اہم لیڈروں کے قتل ہونے کے بعد ان کی جگہ لینے والے موجود ہیں اور اسرائیل کے خلاف کاروائیاں جاری رکھے ہوئے ہیں۔ اس کے علاوہ ایران کی حماس کی حمایت بھی جاری ہے۔

لبنان میں بھی ایران کی حمایت یافتہ حزب اللہ موجود ہے اور اس جنگ کے دوران بھی حزب اللہ نے جنوبی لبنان سے اسرائیل پر جوابی کاروائیوں کا آغاز کیا۔ گزشتہ سال کے حملوں اور مرکزی قیادت کی پے در پے ہلاکتوں کے یہ تاثر موجود تھا کہ حزب اللہ پہلی جیسی طاقتور نہیں رہی لیکن اس جنگ میں انہوں نے خود کو پھر سے فعال ثابت کیا ہے۔ اسی باعث اسرائیل کو اس جنگ میں لبنان میں بھی ایک بڑا محاذ کھولنا پڑا اور وہاں بھی بڑے پیمانے پر بمباری کی گئی جس میں ہزار کے قریب افراد ہلاک ہو چکے ہیں جبکہ لاکھوں افراد اپنا گھر بار چھوڑنے پر مجبور ہوئے ہیں۔ دارالحکومت بیروت کے جنوبی حصوں اور جنوبی لبنان کے سرحدی علاقوں پر شدید بمباری کی گئی۔ اسرائیل جنوبی لبنان کے علاقوں کو بھی اپنے قبضے میں لینا چاہتا ہے اور اس کے وزیر خزانہ نے کہا ہے کہ موجودہ سرحد سے بیس میل آگے دریائے لیطانی تک کے علاقے پر ہمارا قبضہ ہونا چاہیے۔ اسی مقصد کے تحت اسرائیل نے زمینی افواج بھی لبنان میں داخل کرنے کی کوششیں کیں جنہیں حزب اللہ کی جانب سے مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا۔ حزب اللہ کو ابھی بھی ایران کی بڑی حمایت حاصل ہے اور

ایران کے پاسدران نے حزب اللہ کی تشکیل نو میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ آنے والے عرصے میں کشیدگی بھی جاری رہے گی اور لبنان میں داخلی لڑائی بڑھنے کے ساتھ فلسطین اور لبنان میں بھی اسرائیل کے ساتھ کشیدگی جاری رہے گی۔

اسرائیل کے سامراجی عزائم وقت کے ساتھ بڑھتے ہی گئے ہیں اور اب وہ پورے مشرقِ وسطیٰ میں حکمرانی کا خواب دیکھ رہا ہے۔ اسرائیل کا مقصد ایران کو کمزور اور تقسیم زدہ رکھنا ہے تاکہ وہ مشرقِ وسطیٰ میں ایک بڑی طاقت کے طور پر اسرائیل کا مقابلہ کرنے کی صلاحیت کھو دے، دوسری طرف اسرائیل خلیجی ممالک کے ساتھ اتحاد بنا کر انہیں اپنا مطیع کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ اسرائیل کے لیے ایک بڑا خطرہ ترکی کی شکل میں بھی موجود ہے جس کے خطے میں اپنے سامراجی عزائم ہیں۔ شام میں دونوں کے درمیان محاذ آرائی میں شدت آ چکی ہے اور دونوں ایک دوسرے پر بالواسطہ حملے بھی کر رہے ہیں۔ آنے والے عرصے میں اس لڑائی میں بھی شدت آئے گی۔

لیکن مارچ کے مہینے میں ہونے والی جنگ کے بعد اسرائیل کو اپنے مقاصد میں پسپائی ہوئی ہے اور ایران اس جنگ کے بعد کمزور ہونے کی بجائے مزید طاقتور ہوا ہے۔ اس کے اثرات پورے خطے میں مرتب ہوں گے اور فلسطین سے لے کر خلیجی ممالک تک اسرائیل کے مفادات کو ٹھیس پہنچے گی۔ اس دوران ایران نے میزائیل حملوں سے اسرائیل کو بہت سا جانی اور مالی نقصان بھی پہنچایا ہے جس کی پوری تصویر میڈیا پر پابندیوں کے باعث سامنے نہیں آ رہی۔ اس جنگ کے بعد اسرائیل میں بھی خوف و ہراس کی فضا موجود ہے اور اس جنگ سے چھٹکارا حاصل کرنے کے خدشات بھی پروان چڑھ رہے ہیں۔ لیکن اسرائیل کے حکمران طبقے کو ابھی بھی عوام کی وسیع اکثریت کی حمایت حاصل ہے جو انتہائی رجعتی بنیادوں پر اپنے حکمران طبقے کے انسانیت سوز جرائم کی نہ صرف حمایت کر رہی ہے بلکہ اسے تقویت بھی دے رہی ہے۔ لیکن یہ کیفیت زیادہ عرصے تک برقرار نہیں رہ سکتی اور اسرائیل کے سماج میں بھی داخلی انتشار اور ہیجان میں اضافہ ہوگا اور نظام کا بحران اس صیہونی ریاست کو بھی اندر سے کمزور کرنے اور توڑنے کا باعث بنے گا۔ اس مصنوعی سرمایہ دارانہ ریاست کا خطے کے ایک سوشلسٹ انقلاب کے ذریعے خاتمہ ہی اس خطے کے عوام کو ظلم اور بربریت سے

نجات دلانے کا باعث بنے گا۔

خطے کے دیگر ممالک

یہ جنگ عراق سے لے کر اردن اور مصر تک اپنے اثرات مرتب کر رہی ہے بلکہ شمالی افریقہ کے ممالک تک بھی اس کے اثرات مرتب ہوئے ہیں۔ عراق میں بڑی سیاسی تبدیلیوں کا عمل پہلے سے جاری ہے اور آنے والے عرصے ایران کی حمایت یافتہ حکومت بننے کے امکانات موجود ہیں۔ اس جنگ کے دوران عراق میں موجود امریکی فوجی اڈوں پر بھی حملے کیے گئے اور عراق میں موجود ایران کی حامی ملیشیا بھی امریکی فوج کیخلاف کارروائیاں کرتی رہے۔ دوسری جانب شمالی عراق میں موجود خودمختار کردستان کے حکمران بھی امریکہ کے اتحادی ہیں اس لیے وہاں بھی ایران نے مرکزی شہر اربیل پر حملے کیے جس میں جانی اور مالی نقصان بھی ہوا۔ اس کے علاوہ عراق کو اپنی تیل کی ترسیل میں بھی مشکلات کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے اور اس کے معاشی مسائل بھی بڑھ رہے ہیں۔ یہاں آبادی کے ایک بڑے حصے میں امریکی سامراج سے شدید نفرت موجود ہے اور موجودہ جنگ میں ایران کی حمایت بڑھی ہے۔ ماضی میں ایران کے عراق کی جانب سامراجی کردار کے باعث عوام میں ایران کیخلاف غم وغصے میں اضافہ ہوا تھا، خاص طور پر مقتدیٰ الصدر کی قیادت میں شیعہ آبادی میں ایران مخالف جذبات کو مرکز ملا تھا۔ لیکن اس وقت صورتحال مختلف ہے اور ایران اپنا اثر ورسوخ دوبارہ سے بڑھانے کی کوشش کر رہا ہے۔

اردن کے حکمران بھی امریکی سامراج کے گماشتے ہیں اور یہاں موجود امریکی فوجی اڈے بھی امریکہ اور اسرائیل کی جنگ میں بھرپور شریک رہے ہیں۔ لیکن آبادی کی وسیع اکثریت میں فلسطین کی تحریک آزادی کی حمایت موجود ہے۔ درحقیقت اردن کی چالیس فیصد آبادی فلسطینی مہاجرین پر ہی مشتمل ہے جس کیخلاف ماضی میں بدترین فوجی آپریشن بھی کیے گئے تھے۔ لیکن اب مقامی آبادی میں بھی فلسطین کی حمایت موجود ہے اور فلسطین کی حمایت میں طاقتور عام ہڑتالیں بھی ہو چکی ہیں۔ اس وقت عوام میں امریکی سامراج سے شدید نفرت اور ایران کی حمایت موجود ہے جو آنے والے دنوں میں سیاسی تبدیلیوں کو جنم دے گی۔ یہی صورتحال سب سے بڑے عرب ملک مصر میں

بھی موجود ہے جس کے چاروں طرف آگ اور خون کی ہولی کھیلی جارہی ہے لیکن یہ ابھی تک خود کو محفوظ رکھنے کی کوشش کر رہا ہے۔ اس دوران مصر کا مالیاتی بحران بھی گہرا ہوتا جا رہا ہے اور مہنگائی اور بیروزگاری میں تیز ی ترین اضافہ ہو رہا ہے۔ آنے والے عرصے میں یہاں بھی بڑی عوامی تحریکیں ابھرنے کے امکانات موجود ہیں۔ آبنائے ہرمز کی بندش کے ساتھ اگر سوئز کنال جیسی دنیا کی اہم ترین سمندری گزرگاہ بھی کسی عوامی تحریک یا ہڑتال کی وجہ سے بند ہو جاتی ہے تو پوری دنیا کی معیشت میں زلزلے برپا ہو جائیں گے اور بہت سی معیشتیں زمین بوس ہو جائیں گی۔ مصر میں ابھرنے والی تحریکوں کے اثرات پوری عرب دنیا کے ساتھ مشرق وسطیٰ اور شمالی افریقہ تک پھیلتے ہیں۔ یہاں ابھی تک بڑی ہلچل نہیں ہوئی اور یہاں کے حکمران بھی اس جنگ کو جلد از جلد ختم کرنے کی کوششیں کر رہے ہیں تا کہ ان شعلوں سے خود کو محفوظ رکھ سکیں لیکن زیادہ طویل عرصے تک اس میں کامیابی مشکل ہے۔

سوڈان اور لیبیا میں پہلے ہی خانہ جنگی جاری ہے جس میں خطے سمیت دنیا بھر کی سامراجی طاقتیں وسائل کی لوٹ مار کے لیے مختلف گروہوں کی حمایت کر رہی ہیں۔ ان خانہ جنگیوں میں لاکھوں لوگ ہلاک ہو چکے ہیں جبکہ اس سے کہیں زیادہ ہجرت کرنے پر مجبور ہیں اور بھوک اور بیماری کے ہاتھوں مر رہے ہیں۔ آنے والے عرصے میں نظام کا بحران یہاں بھی اپنی وحشت اور بربریت کو جاری رکھے گا۔

چین اور روس

عالمی سطح پر امریکی سامراج کے بحران کے دوران چین اور روس کو اپنے سامراجی کردار میں وسعت دینے کا موقع ملا ہے۔ کمیونسٹ ایک دہائی سے زیادہ عرصے سے اس عمل پر مسلسل اپنی رائے دے رہے ہیں اور واضح کر رہے ہیں کہ عالمی سطح پر یہ دونوں ملک نئی سامراجی طاقت کے طور پر ابھر رہے ہیں۔ خاص طور پر چین عالمی سطح پر ایک قابل ذکر سامراجی طاقت بن کر ابھرا ہے اور اس وقت دنیا کی دوسری بڑی معیشت بن چکا ہے۔ اسی طرح ٹیکنالوجی کے میدان سے لے کر جدید اسلحے کی پیداوار تک ہر شعبے میں یہ اپنا لوہا منوا رہا ہے۔ اس کے علاوہ دنیا کے ہر خطے میں وسائل کی لوٹ مار

اور منڈیوں کے حصول کے لیے سرمایہ کاری بھی کر رہا ہے اور اپنے پنجے بھی گاڑتا چلا جا رہا ہے۔ اس دوران اس کے امریکی سامراج سے تصادم اور تضادات ابھرنا ناگزیر ہے جن کا اظہار پچھلے سال ہونے والی تجارتی جنگ میں کھل کر ہوا تھا۔ اس جنگ میں بھی ٹرمپ کو پسپائی اختیار کرنا پڑی اور چین نایاب دھاتوں پر اپنے کنٹرول کی بدولت اس تجارتی جنگ سے مضبوط ہو کر ابھرا۔ دنیا بھر میں جدید ٹیکنالوجی میں استعمال ہونے والی نایاب دھاتوں کا اسی سے نوے فیصد چین کے براہ راست کنٹرول میں ہے۔ تجارتی جنگ کے دوران چین نے ان نایاب دھاتوں کی برآمدات پر پابندی لگا دی تھی جس کے باعث امریکہ اور یورپ کی صنعت کو شدید نقصان پہنچا تھا اور ٹرمپ تجارتی جنگ سے پسپائی اختیار کرنے پر مجبور ہوا تھا۔ اس کے بعد امریکہ نے ان نایاب دھاتوں اور ساتھ ہی دیگر معدنیات کے حصول کے لیے ایک نئی دوڑ کا آغاز کر دیا اور پوری دنیا میں ان دھاتوں کو اپنے زیر اثر لانے کا عمل شروع کیا جس میں ابھی تک اسے کامیابی نہیں مل سکی اور چین ابھی بھی ان دھاتوں کو کنٹرول کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

اسی طرح ٹرمپ نے چین کو اپنا سب سے بڑا دشمن قرار دیتے ہوئے بحرالکاہل میں چین کے گرد گھیرا تنگ کرنے کا منصوبہ بنایا اور خاص طور پر تائیوان کے تنازعے پر چین کو پیچھے دھکیلنے کی کوششیں کیں۔ لیکن چین نے ان کا بھی انتہائی مؤثر جواب دیا اور تائیوان کے گرد جنگی مشقوں میں بڑے پیمانے پر اضافہ کیا۔ اس کے علاوہ جنوبی چین سمندر میں بھی وہ اپنا اثر ورسوخ بڑھاتا چلا جا رہا ہے۔ گزشتہ سال ہونے والی فوجی پریڈ میں بھی چین نے جدید اسلحے کی نمائش کر کے دنیا کو حیران کر دیا تھا۔

لیکن اس سب کے باوجود چین ابھی تک امریکہ کے مقابلے میں ایک کمزور سامراجی طاقت ہے اور کھل کر پوری دنیا پر اپنا ایجنڈا مسلط نہیں کر سکتا۔ امریکہ اپنے زوال کے باوجود ابھی تک دنیا کی سب سے بڑی مالیاتی اور عسکری سامراجی طاقت ہے لیکن اس کے زوال کے باعث پیدا ہونے والے خلا میں چین اور روس کو آگے بڑھنے کے مواقع مل جاتے ہیں۔ اس صورتحال میں یہ تو واضح ہو چکا ہے کہ یونی پولر دنیا یا یک قطبی دنیا کا خاتمہ ہو چکا ہے یعنی امریکہ دنیا بھر کی اکلوتی سپر پاور

نہیں رہی ہے اور کثیر القطبی یا ملٹی پولر دنیا ابھر رہی ہے جس میں امریکہ کے مد مقابل دوسری سامراجی طاقتیں بھی موجود ہیں جو اپنا دائرہ اثر بڑھانے کی کوششیں جاری رکھیں گی اور اس دوران ان کا ایک دوسرے سے ٹکراؤ بھی مسلسل شدت اختیار کرتا چلا جائے گا۔

اس حوالے سے امریکہ اور اس کے اتحادیوں کے مقابلے میں برکس ممالک کے اتحاد کو ایک نئے بلاک کے طور پر دیکھا جا رہا ہے۔ اس بلاک میں چین اور روس کے علاوہ کلیدی ممالک میں برازیل ،جنوبی افریقہ اور ایران کو بھی شامل کیا جاتا ہے جبکہ انڈیا بھی کمزور شکل میں ہی سہی لیکن یہاں موجود ہے۔

اس بلاک کے حوالے سے بہت سی مبالغہ آرائی بھی موجود ہے اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ بلاک ایک مضبوط شکل میں امریکہ اور اس کے اتحادیوں کو شکست دے سکتا ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ ڈالر کو عالمی کرنسی کے طور پر ختم کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے یا اپنی کسی کرنسی کو عالمی کرنسی بنانے کی طرف جا رہا ہے۔ لیکن اس بلاک کی بہت سی کمزوریاں بھی نظر آئی ہیں اور اس میں موجود ممالک کے آپسی تضادات بھی موجود ہیں۔ دراصل یہ بلاک ابھی تشکیل کے عمل سے گزر رہا ہے اور ابھی تک اس کے خدوخال پوری طرح ابھر کر سامنے نہیں آئے۔ اس بلاک کے ابھرنے کی سب سے بڑی وجہ امریکی سامراج کا زوال ہے۔ اگر امریکی سامراج مضبوط بنیادوں پر موجود ہوتا تو یہ بلاک ابھرنا ہی نہیں تھا اور نہ ہی اس کی ضرورت موجود ہونی تھی۔ لیکن امریکی سامراج کی مسلسل کمزوری اور عالمی تعلقات پر گرفت ڈھیلی پڑنے کے باعث اس بلاک کے ابھرنے کے امکانات بڑھتے چلے گئے اور وقت کے ساتھ یہ مضبوط ہوتا گیا۔ خاص کر چین اور روس کے آپسی تعلقات مسلسل مضبوط ہوتے جا رہے ہیں۔ ٹرمپ نے اپنی الیکشن کمپیئن میں اسی قربت کو ختم کرنے پر زور دیا تھا اور کہا تھا کہ وہ صدر بن کر یوکرائن جنگ کو فوری طور پر ختم کرے گا اور روس کے ساتھ دوستانہ تعلقات استوار کرے گا تا کہ چین کو تنہا کیا جا سکے اور پھر امریکہ چین کے ساتھ محاذ آرائی پر توجہ دے سکے۔ لیکن صدر بننے کے بعد وہ متعدد کوششوں کے باوجود یوکرائن جنگ ختم نہیں کر سکا اور وہ ابھی بھی جاری ہے۔ اس نے پیوٹن کے ساتھ ون ٹو ون ملاقات بھی کی اور ٹیلی فون پر گفتگو بھی کئی دفعہ ہوئی

لیکن مغربی یورپ کے سامراجی حکمرانوں کے دباؤ کے تحت وہ اس جنگ کو ابھی تک جاری رکھے ہوئے ہے۔

یوکرائن جنگ کے دوران روس اور چین ایک دوسرے کے پہلے سے زیادہ قریب آئے ہیں اور دونوں کا ایک دوسرے سے تعاون کئی گنا بڑھا ہے۔ یوکرائن جنگ کے بعد روس کی معاشی ناکہ بندی کی گئی تھی اور اس پر بہت بڑے پیمانے پر پابندیاں لگا دی گئیں تھیں۔اس صورتحال میں چین نے روس کی مدد میں اضافہ کر دیا تھا اور ان پابندیوں کے باوجود روس کی معاشی امداد کی تھی۔خاص کر روس کو جدید ٹیکنالوجی اور دفاعی پیداوار کے لیے جن پرزوں کی ضرورت تھی انہیں چین نے پورا کیا تھا۔اسی طرح چین کی دیگر مصنوعات کی برآمدات میں روس میں بڑھی تھیں۔دوسری طرف روس نے بھی تیل اور دیگر خام مال کی فروخت چین میں بڑھائی تھی۔دونوں مما لک نے چینی کرنسی یوان میں تجارت کو بھی فروغ دیا تھا جو اب کافی بڑے پیمانے پر موجود ہے اور ڈالر کا نعم البدل بن چکی ہے۔اس دوران روس اور چین کا دفاعی تعاون نئی انتہاؤں کو چھو رہا ہے اور چین روس کی اسلحے کی ٹیکنالوجی سے بھی مستفید ہو رہا ہے۔ عالمی تعلقات میں بھی امریکی سامراج کا مقابلہ کرنے کے لیے دونوں مما لک نے آپسی تعاون کو مضبوط کیا ہے اور شمالی کوریا سے لے کر لاطینی امریکہ تک اور افریقہ سے لے کر قطب شمالی تک امریکی سامراج کی مخالف قوتوں کے ساتھ تعلقات مضبوط بنا رہے ہیں۔

لیکن دوسری طرف یہ بلاک ابھی حتمی اور واضح شکل اختیار نہیں کر سکا اور نہ ہی اس کا موازنہ سرد جنگ کے دوران موجود دنیا کی دو بلاک میں تقسیم کے ساتھ کیا جا سکتا ہے۔دوسری عالمی جنگ کے بعد شروع ہونے والی سرد جنگ میں امریکی سامراج کے مقابلے میں سوویت یونین کا بلاک تھا اور پوری دنیا ان دو بڑے حصوں میں تقسیم تھی۔ لیکن اس وقت سوویت یونین اور اس کے اتحادی مما لک کی بنیاد میں سوشلسٹ منصوبہ بند معیشت تھی جو امریکی سامراج اور اس کے اتحادیوں کی منڈی کی سرمایہ دارانہ معیشت سے بالکل ایک مختلف سماجی معاشی نظام تھا۔ان دو نظاموں کے درمیان تجارت اور معاشی جڑت نہ ہونے کے برابر تھی اور دونوں بلاک ایک دوسرے سے

برسرِ پیکار تھے۔

موجودہ صورتحال بالکل مختلف ہے اور روس اور چین کی بنیاد میں آج سرمایہ دارانہ نظام اور منڈی کی معیشت موجود ہے۔ چین کی معیشت امریکہ سمیت دنیا کے ہر ملک کے ساتھ سب سے زیادہ تجارت کرنے والی معیشتوں میں شامل ہے اور عالمی معیشت کا ایک کلیدی حصہ ہے۔ امریکی سامراج اور چین کے جہاں ایک دوسرے سے شدید تضادات موجود ہیں وہاں وہ ایک دوسرے پر انحصار بھی کرتے ہیں۔ امریکہ چین کی مصنوعات کی سب سے بڑی منڈی ہے اور امریکی کمپنیوں کی سب سے زیادہ سرمایہ کاری چین میں ہی ہوتی ہے اور اب وہ چین کو ایک اہم منڈی کے طور پر بھی دیکھتے ہیں۔ اس کے علاوہ اب امریکہ اور یورپ کی جدید معیشتیں ٹیکنالوجی کے حصول کے لیے بھی چین پر کسی حد تک انحصار کرنا شروع ہو گئی ہیں۔ اس صورتحال میں سرد جنگ کی طرز کے الگ تھلگ بلاکس نہیں بن سکتے۔ چین اور روس کے علاوہ دیگر ممالک بھی جو اس رسہ کشی میں شامل ہو رہے ہیں وہ بھی عالمی معیشت میں اپنے دشمن ممالک کے ساتھ تجارتی اور معاشی تعلقات میں بندھے ہوتے ہیں۔

سب سے بڑی مثال انڈیا کی ہے جو چاہتے ہوئے بھی واضح طور پر کسی ایک بلاک کا حصہ نہیں بن سکتا۔ ٹرمپ کے پہلے دورِ اقتدار میں میں انڈیا اور امریکہ کی دوستی نئی انتہاؤں کو پہنچ گئی تھی اور مودی نے امریکہ جا کر ٹرمپ کی الیکشن کمپئین بھی کی تھی تا کہ وہ دوبارہ صدر بن سکے۔ ایسا شاید پہلے کبھی نہیں دیکھا گیا کہ کسی ایک ملک کا سربراہ مملکت دوسرے ملک میں جا کر صدارتی مہم میں ایک امیدوار کا ساتھ دے۔ بائیڈن کے صدر بننے کے بعد انڈیا سے تعلقات کشیدہ ہوئے تھے اور مودی کو امید تھی کہ ٹرمپ دوبارہ صدر بن گیا تو تعلقات پہلی سطح پر آ جائیں گے۔ ٹرمپ کے دوبارہ صدر بننے کے بعد مودی نے دوستی کی پینگیں دوبارہ بڑھانی شروع کیں لیکن ٹرمپ کے مطالبات کے باعث دوستی کی یہ عمارت دھڑام سے نیچے گر گئی۔ امریکہ سے ٹرمپ کی شرائط پر تجارتی معاہدہ کرنا انڈیا کے لیے انتہائی مشکل تھا اور روس سے تیل خریدنے پر امریکہ اور یورپی حکمران انڈیا سے ناراض بھی تھے جس کا اظہار تجارتی جنگ میں ہوا اور تعلقات اتنے کشیدہ ہو گئے کہ مودی کو اپنے

دشمن ملک چین کا دورہ کرنا پڑا اور روس اور چین کے بلاک کی طرف جھکاؤ کا عندیہ دینا پڑا۔ ٹرمپ کی مسلط کردہ تجارتی جنگ کے جواب میں بھی بہت سے ممالک کی طرح رعایت کی بھیک مانگنے کے بجائے مودی نے اس کا مقابلہ کرنے کی کوشش کی جو ابھی تک جاری ہے۔ تاہم امریکی معیشت پر انحصار کے باعث انڈیا کو روس کے تیل کی خریداری میں بہت بڑے پیمانے کی کمی کرنی پڑی تھی۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ برکس کا بلاک ان ممالک کی اپنی خواہشات کی بجائے امریکی سامراج کی دھتکار سے یا ٹکراؤ سے بن رہا ہے۔ لیکن دوسری جانب امریکی سامراج کوشش کر کے بھی اس بلاک کو توڑ نہیں سکتا اور اس کی اپنی پالیسیاں اس کی مخالف قوتوں کو ایک دوسرے کے قریب لاتی جائیں گی۔

تیسری عالمی جنگ؟

اس حوالے سے بہت سے لوگ تیسری عالمی جنگ کی بھی پیش گوئی کرتے ہیں اور موجودہ صورتحال کا موازنہ پہلی اور دوسری عالمی جنگوں سے پہلے کی دنیا سے کرتے ہیں جب دنیا میں مختلف سامراجی طاقتیں ایک دوسرے سے منڈیوں کے حصول کے لیے برسر پیکار تھیں۔ اس حوالے سے بھی واضح کرنے کی ضرورت ہے کہ کمیونسٹ واضح طور پر سمجھتے ہیں کہ تیسری عالمی جنگ کے فوری طور پر کوئی امکان موجود نہیں گو کہ چھوٹی اور بڑی جنگیں اور خانہ جنگیاں بڑھتی جائیں گی اور ان میں ہونے والی خونریزی میں بھی اضافہ ہوگا۔ اس کی ایک بڑی وجہ تو پہلے بیان کی جا چکی ہے کہ امریکہ اپنی کمزوری کے باعث بڑے پیمانے کی زمینی فوج سے مداخلت کرنے کی پوزیشن میں نہیں۔ ایران جنگ میں واضح طور پر یہ نظر آیا ہے جبکہ اس سے پہلے یوکرائن جنگ میں بھی یہ واضح ہو گیا تھا۔ جنگ حتمی طور پر یہی ہوتی ہے کہ ایک ملک کی فوج دوسرے ملک کی سرحدوں میں داخل ہو جائے اور اس ملک پر قبضہ کرنے کی کوشش کرے۔ تیسری عالمی جنگ کا مطلب ہے کہ امریکی افواج چین پر قبضہ کرنے کی کوشش کریں اور چین ایسی ہی کاروائی جوابی طور پر کرے یا پھر روس اپنی فوجیں لے کر جرمنی اور فرانس میں داخل ہو جائے۔ ایسی صورتحال کے امکانات فوری طور پر موجود نہیں۔ روس یوکرائن

جنگ کو بھی ختم کرنا چاہتا ہے اور پورے یوکرائن پر قبضہ کرنے کی بجائے ابھی تک موجود فوجوں کی حد بندی کو حتمی شکل دینا چاہتا ہے۔اسی طرح چین فوری طور پر کسی ملک میں فوج اتار کر وہاں قبضہ کرنے کی پوزیشن میں نہیں۔امریکی سامراج بھی ایران میں میزائلوں اور بمبار طیاروں کے ساتھ ہی رجیم چینج کرنا چاہتا ہے جبکہ زمینی افواج کو انتہائی ہنگامی حالت کے لیے ہی تیار کر رہا ہے اور وہ بھی انتہائی محدود آپریشن کے لیے چند ہزار فوجیوں کی تیاری بتائی جا رہی ہے جو ظاہر ہے پورے ایران پر قبضہ کرنے کے لیے ناکافی ہے۔

اس کے علاوہ دنیا کی بڑی طاقتوں کے پاس اس وقت جوہری ہتھیار موجود ہیں جو ماضی میں کسی بھی عالمی جنگ کے وقت موجود نہیں تھے اور ان کی وجہ سے قابل قیاس مستقبل میں یہ جنگیں ایک محدود پیمانے تک ہی رہیں گی۔سرمایہ دارانہ نظام میں حکمران طبقے کا مقصد منڈیوں یا خام مال کی لوٹ مار ہوتا ہے اور ایٹم بم گرائے جانے سے یہ مقصد کبھی حاصل نہیں ہو سکتا۔اس حوالے سے تیسری عالمی جنگ کے خدشات کو فی الحال دور کرنے کی ضرورت ہے۔لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ سامراجی طاقتوں کی کشمکش ختم ہو جائے گی یا ماند پڑ جائے گی بلکہ سرمایہ دارانہ نظام کے بحران کے باعث یہ شدت اختیار کرتی چلی جائے گی اور ہر ملک کا حکمران طبقہ اپنے حلقہ اثر میں مسلسل اضافہ کرنے کی کوشش کرے گا۔

لینن نے اپنی تصنیف ”سامراج: سرمایہ داری کی حتمی منزل“ میں واضح کیا تھا کہ سرمایہ دارانہ ریاست ناگزیر طور پر سامراجی کردار کی حامل ہو جاتی ہے اور منڈیوں اور خام مال کی لوٹ مار کے لیے اپنے حلقہ اثر کو بڑھانے کی کوشش کرتی ہے۔اس عمل میں جہاں دنیا کی بڑی سپر پاورز سامراجی کردار اپناتی ہیں اور پوری دنیا پر اپنا تسلط جمانے کی کوشش کرتی ہیں وہاں انڈیا، ترکی ، پاکستان اور سعودی عرب جیسے ممالک بھی اپنے زیر تسلط علاقوں یا کمزور ہمسایوں کے لیے نیم سامراجی کردار کے حامل ہو جاتے ہیں۔موجودہ عہد میں امریکی سامراج کے کمزور ہونے کے باعث دنیا کے ہر خطے میں موجود سرمایہ دارانہ ریاستیں ایک دوسرے سے اپنے مفادات کے حصول کے لیے ٹکرائیں گی اور ان تصادموں میں شدت آتی چلی جائے گی۔

اس دوران چین اور روس بھی ایک حد تک اپنا کردار ادا کر سکتے ہیں اور ان میں اتنی صلاحیت نہیں کہ وہ مکمل طور پر امریکی سامراج کا متبادل بن سکیں۔ اسکی وجہ سرمایہ دارانہ نظام کی نامیاتی کمزوری اور بحران ہے جس کا اظہار روس اور چین میں بھی ہو رہا ہے اور ان کی معیشتیں بھی مسلسل بحران میں دھنستی چلی جا رہی ہیں۔ اس حوالے سے موجودہ صورتحال بیسیویں صدی سے مختلف ہے جب برطانوی سامراج کے زوال کے بعد امریکہ نے پوری دنیا کی تھانیداری کا فریضہ سنبھال لیا تھا اور پوری سرمایہ دارانہ دنیا پر اپنا آرڈر مسلط کر رہا تھا۔ آج کسی بھی سامراجی طاقت کے پاس اتنی صلاحیت نہیں کہ وہ مالیاتی اور عسکری طور پر امریکہ سے بڑا کردار ادا کر سکے۔ اسی لیے بہت سے لوگ روس اور چین کے حالیہ جنگوں میں کردار سے مایوس بھی نظر آتے ہیں۔ ان کا خیال تھا کہ اس سال کے آغاز پر وینز ویلا کے صدر کو اغوا کرنے والی امریکی کاروائی پر چین فوری جوابی کاروائی کرتا اور امریکہ کا ناطقہ بند کرتے ہوئے وینزویلا کے صدر کو بازیاب کرواتا یا پھر کم ازکم وینزویلا کے تیل اور معدنیات پر امریکہ کو کنٹرول حاصل کرنے سے روکتا۔ اسی طرح ایران جنگ میں بھی ان کا خیال تھا کہ امریکی بحری بیڑے کے مقابلے میں چین اپنا بحری بیڑہ ایران کے ساحلوں کے قریب لے جاتا اور کھل کر امریکہ کا مقابلہ کرتا۔ اس خواہش کے پیچھے کارفرما اصل نکتہ یہ ہے کہ یہ لوگ عالمی صورتحال کی پیچیدگی کو نظر انداز کرتے ہوئے دو واضح بلاکس میں دنیا کی تقسیم کا تصور بنا چکے ہیں اور ان کے خیال میں یہ دو بلاکس مکمل طور پر ایک دوسرے کے دشمن بن چکے ہیں اور اب ان کو ایک دوسرے کیخلاف جنگ میں اتر جانا چاہیے۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ دو الگ بلاکس موجود ہیں بھی اور نہیں بھی۔ امریکہ اور چین کے جہاں ایک دوسرے سے شدید تضادات اور دشمنی ہے وہاں ایک دوسرے سے مفادات بھی وابستہ ہیں، یہی صورتحال روس اور دیگر ممالک کی بھی ہے۔ ایران میں امریکی سامراج کیخلاف شدید نفرت اور غم وغصہ موجود ہے لیکن ایران کا حکمران طبقہ سرمایہ دارانہ نظام کیخلاف نہیں ہے بلکہ اسی کے تحت ایران میں اپنی حکمرانی مسلط کر رہا ہے۔

اس کے علاوہ روس اور چین کے بلاک میں ابھی تک وہ مالیاتی اور عسکری سکت نہیں کہ وہ کھل کر امریکہ بحری بیڑے کا مقابلہ کر سکیں لیکن دوسری طرف اپنے اتحادیوں کی پس پردہ حمایت اور امداد کا

عمل بھی جاری رکھے ہوئے ہیں جسے اپنے سامراجی مفادات کے تحت وہ بڑھاتے یا کم کرتے ہیں۔ ایران جنگ میں روس اور چین نے سیٹیلائٹ ٹیکنالوجی، میزائیل ٹیکنالوجی اور دوسرے بہت سے محاذوں پر ایران کی بہت زیادہ مدد کی ہے بلکہ خود امریکی اخبارات نے یہ رپورٹ کیا کہ ایران کے میزائیلوں اور ڈرون حملوں کے زیادہ تر درست نشانے روسی امداد کے بغیر ممکن نہیں تھے۔ اسی طرح ایران کو جوہری ٹیکنالوجی پروان چڑھانے میں بھی روس نے مدد کی ہے۔ جنگ کے دوران ٹرمپ نے پیوٹن کو فون بھی کیا اور کہا کہ وہ ایران کی مدد بند کردے لیکن جواب میں پیوٹن نے کہا کہ اگر امریکہ یوکرائن کی مدد بند کردے تو وہ اس پر ضرور سوچے گا۔ اسی طرح چین بھی پابندیوں کے باوجود ایران سے تیل خرید رہا ہے گو کہ اس کے لیے وہ انتہائی کم قیمت دیتا ہے۔ آبنائے ہرمز کی بندش کے دوران بھی ایران نے چین کے مال بردار جہازوں کو گزرنے کی اجازت دی اور ساتھ ہی اس سمندری رستے سے تجارت کو چینی کرنسی یوآن میں منتقل کرنے کا عندیہ دیا جو امریکی سامراج کے لیے ایک بہت بڑا دھچکا ہے۔

اس حوالے سے دیکھا جائے تو ایران جنگ میں یہ تین اتحادی ایک دوسرے کے بہت زیادہ قریب آئے ہیں اور دفاعی اور مالیاتی معاملات میں تعاون کئی گنا بڑھ گیا ہے۔ جبکہ دوسری جانب امریکہ اور اس کے اتحادیوں کے درمیان ٹوٹ پھوٹ اور لڑائی اس جنگ میں زیادہ کھل کر سامنے آئی ہے۔ ایران جنگ کے دوران ٹرمپ نے بارہا اپنے یورپی اتحادیوں کو مدد کے لیے پکارا لیکن انہوں نے ہچکچاہٹ اور تذبذب کا مظاہرہ کیا اور اس جنگ میں حصہ لینے سے گریز کرتے رہے۔ برطانیہ نے بہت تاخیر کے بعد اپنے کچھ اڈے امریکی کاروائیوں کے لیے پیش کیے لیکن اپنا بحری بیڑہ نہیں فراہم کر سکا۔ فرانس نے اپنا طیارہ بردار جہاز جنگ کے لیے روانہ کیا لیکن اگلے ہی دن اسے واپس بلا لیا جبکہ جرمنی نے جنگ میں حصہ بننے سے صاف انکار کر دیا۔ اس صورتحال میں ٹرمپ ان اتحادیوں کو کوستا رہا اور سوشل میڈیا پر نیٹو اور ان یورپی ممالک پر غصہ نکالتا رہا۔ ایک وقت میں تو اس نے آبنائے ہرمز کو کھلوانے کے لیے چین کی مدد بھی طلب کر لی۔

مشرقِ بعید میں امریکی اتحادی جاپان، جنوبی کوریا اور تائیوان ایران جنگ سے بہت زیادہ متاثر

ہوئے کیونکہ ان کی انرجی کی ضروریات کا بڑا حصہ یہاں سے آتا ہے۔اس کے علاوہ خلیجی مما لک میں نصب دفاعی تنصیبات کی ضرورت کو پورا کرنے کے لیے جنوبی کوریا میں نصب امریکی دفاعی سامان منگوایا گیا جس کے باعث جنوبی کوریا میں خوف کی فضا پیدا ہوئی اور یہ خدشہ ابھرا کہ اس صورتحال میں اگر شمالی کوریا حملہ کر دے تو اس کا دفاع کون کرے گا۔اس کے علاوہ معاشی بحران کے باعث جنوبی کوریا کی کرنسی 17 سال کی نچلی ترین سطح پر گر گئی۔اس کے علاوہ چین نے بھی کھل کر تائیوان کو اپنے کنٹرول میں کرنے کے خیالات کا اظہار کیا جو عالمی سطح پر امریکی سامراج کی کمزوری کا ایک اور اظہار ہے۔اس موقع پر جاپان کی وزیراعظم نے واشنگٹن کا دورہ بھی کیا اور امریکہ کے ساتھ وفاداری کا تجدیدعہد بھی کیا لیکن واضح ہوتا جا رہا ہے کہ امریکہ کے اتحادی خلیجی مما لک سے لے کر یورپ تک اور جاپان سے لے کر انڈیا تک اس سے نالاں ہیں اور متبادل رستے تلاش کر رہے ہیں۔اس موقع پر صرف آسٹریلیا نے امریکہ کے ساتھ اپنا دفاعی تعاون پیش کیا اور متحدہ عرب امارات میں کچھ طیارے، میزائل اور ان سے متعلقہ فوجی بھجوائے جن پر آسٹریلیا کی حکومت کو اپوزیشن کی طرف سے کڑی تنقید کا سامنا کرنا پڑا۔

آنے والے عرصے میں امریکہ اور اس کے اتحادیوں کے درمیان تنازعات شدت اختیار کریں گے جبکہ وقت اور حالات کے تھپیڑے چین، روس اور ایران کو ایک دوسرے کے مزید قریب لے آئیں گے۔لیکن یہ عمل متضاد شکل میں آگے بڑھے گا اور دونوں بلاکس کی واضح شکل ابھرتی ہوئی نظر نہیں آئے گی۔دونوں اتحادوں میں موجود کئی مما لک دونوں بلاکس میں اپنے پیر رکھنے کی کوشش کریں گے اور دونوں طرف مالیاتی بحرانوں کے اثرات کے باعث آپسی تضادات بھی ابھرتے رہیں گے۔اس موقع پر یہ امکان موجود ہے کہ ٹرمپ روس اور چین کے ساتھ مذاکرات کرتے ہوئے عالمی سطح پر ایک نیا آرڈر تشکیل دینے کی کوشش کرے۔ٹرمپ کے مئی میں ہونے والے چین کے دورے کے حوالے سے ان امکانات پر گفتگو بھی کی جا رہی ہے۔ٹرمپ نے دنیا میں طاقتوں کے اس نئے توازن کو تسلیم کرنے کا عندیہ بھی دیا ہے لیکن اس پر فوری طور پر عمل ہوتا ہوا نظر نہیں آتا۔امریکی حکمران طبقے کے لیے اپنی شکست کو تسلیم کرنا اور اپنے غرور کو ٹوٹتا ہوا دیکھنا قابل

قبول نہیں گو کہ حالات بار بار ان کو یہ حقیقت دکھا رہے ہیں۔ ایران جنگ میں امریکی سامراج کو پہنچنے والی شرمناک ہزیمت کو قبول کرنا بھی ان کے لیے بہت مشکل ہے۔ پہلے افغانستان سے ذلت آمیز انخلا کا صدمہ دور کرنے کے لیے یوکرائن میں روس کیخلاف محاذ کھول لیا گیا اور دعویٰ کیا گیا کہ روس کو شکست دے دیں گے لیکن اس کے نتائج الٹ نکلے۔ اب ایران جنگ کی ہزیمت کی تلافی شاید کیوبا کا ناطقہ بند کر کے کی جا رہی ہے۔

ٹرمپ کی الیکشن کمپیئن کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ وہ اس حقیقت کا ادراک کر رہا تھا اور صدر بننے کے بعد اس نے اس ضمن میں جنگیں روکنے کی کوششیں بھی کیں۔ فلسطین میں جنگ بندی کے معاہدے کی کوششوں سے لے کر یوکرائن میں روس سے ڈیل کرنے تک ہر جگہ اس کو شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ اس حوالے سے امریکہ میں ٹرمپ کو TACO کا لقب بھی دیا جا رہا ہے۔ Trump Always Chikens Out کا مطلب ہے کہ ٹرمپ ہر فیصلے سے دم دبا کر بھاگتا ہے۔ درحقیقت ٹرمپ اب وہ وہی کچھ کر رہا ہے جو سابق امریکی صدور کرتے آئے ہیں۔ یہ واضح کرتا ہے کہ صدر کوئی بھی ہو نظام کے تضادات اور حکمران طبقے کے مفادات اسے اپنے تابع کر لیتے ہیں۔ اس لیے ان بحرانوں سے نجات کے لیے نظام کو ختم کرنے کی ضرورت ہوتی ہے اور حکمرانی ایک طبقے سے دوسرے کو منتقل کرنی پڑتی ہے۔ اس صورتحال میں جہاں امریکی سامراج کا بحران نئی جنگوں کو جنم دے رہا ہے وہاں دوسری طرف عالمی سطح پر منڈیوں میں ہیجان انگیزی کو ختم کرنے کے لیے جنگوں کو ختم کرنے کی خواہش بھی موجود ہے۔ اس کے لیے طاقتوں کے موجودہ توازن کو تسلیم کرنے کی شدید ضرورت ہے اور اس نئے توازن کے تحت عالمی سطح پر نئے ادارے اور نئے معاہدے کرنا بھی ناگزیر ہو چکا ہے۔ لیکن اس عمل تک حتمی صورت میں پہنچنے کے لیے کئی مزید جنگیں اور لڑائیاں ابھی باقی ہیں۔

لاطینی امریکہ

ٹرمپ نے عالمی سطح پر امریکی سامراج کے محدود ہوتے کردار کے پیش نظر اپنی توجہ لاطینی امریکہ پر مرکوز کرنے کا اعلان کیا ہے اور کہا ہے کہ اس خطے میں کسی بیرونی قوت کو قدم جمانے کا موقع نہیں

دیا جائے گا۔اس سے مراد چین اور روس ہیں جو اس خطے میں اپنا اثر ورسوخ بہت تیزی سے بڑھاتے جا رہے ہیں۔لاطینی امریکہ کے تمام اہم ممالک سے چین بڑے پیمانے پر خام مال حاصل کر رہا ہے اور ان سے اہم تجارتی معاہدے بھی کر رکھے ہیں۔اپنے مفادات کو تحفظ دینے کے لیے پیرو میں ایک اہم بندرگاہ بھی چین تعمیر کر چکا ہے اور اس بندرگاہ کو برازیل جیسے اہم ملک سے بھی منسلک کیا جا رہا ہے۔لاطینی امریکہ کے سب سے اہم ملک برازیل سے چین بڑے پیمانے پر گوشت اور سویابین خرید رہا ہے اور امریکہ کی چین کو بھیجی جانے والی سب سے بڑی برآمد بھی سویابین ہے۔دوسرے الفاظ میں برازیل اور امریکہ چین میں سویابین کی منڈی کے لیے ایک دوسرے سے مقابلہ کر رہے ہیں۔اسی طرح ارجنٹائن سے بھی چین بڑے پیمانے پر زرعی اجناس خرید رہا ہے۔

چلی چین کو تانبا بیچتا ہے۔بولیویا، برازیل اور ارجنٹائن گوشت اور سویابین بیچتے ہیں۔امریکہ اس منڈی کا متبادل نہیں۔لیکن ٹرمپ کی طرف سے شائع کردہ نیشنل سیکورٹی اسٹریٹجی کی دستاویز میں لکھا ہے کہ امریکہ چین کو اہم معدنیات اور انفراسٹرکچر پر قبضہ نہیں کرنے دے گا۔اس کا آغاز ہو چکا ہے۔جنوری کے آخر میں پاناما کی سپریم کورٹ نے فیصلہ دیا ہے کہ پاناما کنال میں دو کلیدی بندرگاہوں کا ایک چینی کمپنی کو کنٹرول دینا منسوخ کیا جاتا ہے۔یقیناً امریکہ تابڑتوڑ حملے کر رہا ہے۔ٹرمپ ارجنٹائن، چلی، ہانڈوراس وغیرہ میں مداخلت کر رہا ہے۔

یہ یقیناً برازیل اور کولمبیا میں آنے والے انتخابات میں مداخلت کرے گا۔وہ کئی سالوں سے میکسیکو کو گھٹنے ٹیکنے کے لیے بلیک میل کر رہا ہے۔چین ارجنٹائن میں نیوکوین کے مقام پر ایک فلکیات مشاہدہ سنٹر بنانا چاہتا ہے۔امریکہ نے کہا ہے کہ یہ بہت خطرناک ہے کیونکہ اس کا عسکری اور سویلین، دوہرا استعمال ہے۔اب یہ پراجیکٹ منسوخ کیا جا چکا ہے اور ارجنٹائن کو اس قسم کا پراجیکٹ NASA کی جانب سے پیش کیا جا چکا ہے۔

ابھی حال میں پیرو کے صدر نے امریکہ کا دورہ کیا ہے۔ایکواڈور میں امریکی عسکری اڈے بنانے کے مذاکرات حتمی مراحل میں ہیں جن کے خلاف عوام نے ووٹ دیا ہے لیکن یہ منصوبے اس ملک

سمیت پیرو میں بھی آگے بڑھ رہے ہیں۔امریکہ کا اگلا ہدف پیرو میں چینی تعمیر کردہ چانکے بندرگاہ ہوسکتی ہے جسے ناکارہ یا کسی طرح اس کا اثر زائل کر دیا جائے۔

وینزویلا

اس صورتحال میں سال کے آغاز پر وینزویلا پر امریکہ کا براہ راست فوجی حملہ اور اس کے صدر اور اس کی بیوی کا اغوا ایک بہت بڑا واقعہ ہے۔وینزویلا چین کو بڑے پیمانے پر خام تیل کی سپلائی کر رہا تھا اور چین وینزویلا میں بڑے پیمانے پر سرمایہ کاری بھی کر رہا تھا۔ٹرمپ نے واضح کیا ہے کہ وہ لاطینی امریکہ میں امریکی سامراج کا کنٹرول مستحکم کرے گا اور اس کے رستے میں جو بھی رکاوٹ آئے گی اسے بزور طاقت کچلنے کی طرف جائے گا۔وینزویلا میں امریکی مداخلت اس حوالے سے دوٹوک اعلان ہے۔لیکن اس کے باوجود امریکہ اور چین کی اس خطے میں لڑائی کا حتمی فیصلہ نہیں ہوا اور چین اور روس ابھی بھی یہاں بڑے پیمانے پر سرمایہ کاری بھی کر رہے ہیں اور برکس اور دوسرے معاہدوں کے ذریعے یہاں پر اپنا اثر ورسوخ بھی بڑھا رہے ہیں۔

وینزویلا میں امریکہ فوجی حملے کے بعد بڑے پیمانے پر ردعمل نہیں دیکھا گیا بلکہ نائب صدر نے مکمل طور پر امریکہ کے سامنے گھٹنے ٹیک دیے اور ٹرمپ کے احکامات کے مطابق حکومت کے معاملات کو استوار کیا۔اس پر ٹرمپ نے مذاق اڑاتے ہوئے خود کو وینزویلا کا صدر بھی قرار دے دیا۔

اس صدی کے آغاز پر وینزویلا میں شاویز کی قیادت میں ایک بہت بڑی انقلابی تحریک ابھری تھی جسے بولیویرین انقلاب کہا جاتا ہے۔اس انقلابی تحریک کے تحت شاویز نے وینزویلا میں تیل اور دیگر اہم صنعتوں اور کچھ بینکوں کی بڑے پیمانے پر نیشنلائزیشن کی تھی اور اس آمدن سے عوام کی فلاح و بہبود پر بڑے پیمانے پر اخراجات کیے تھے۔وینزویلا میں لاکھوں لوگوں کو حکومت کی طرف سے مکان بنا کر دیے گئے جبکہ صحت اور تعلیم کا انفراسٹرکچر بچھایا گیا اور ان کی مفت فراہمی کے عمل کا آغاز ہوا۔اسی طرح بہت سی فیکٹریوں پر مزدوروں نے خود قبضہ کر کے چلانا شروع کر دیا جس کی شاویز کی حکومت نے حمایت کی تھی۔عوام کے لیے یہی اقدامات کرنے پر 2002ء میں امریکی ایما پر وینزویلا کے کچھ جرنیلوں نے شاویز کیخلاف کُو کر دیا تھا اور اسے گرفتار کر لیا تھا لیکن شاویز کی

حمایت میں اسی دن لاکھوں لوگ سڑکوں پر نکل آئے اور اس کی رہائی کا مطالبہ کیا۔ اسی وجہ سے یہ کُو ناکام ہو گیا اور شاویز دوبارہ اقتدار پر براجمان ہوا۔ اگلی ایک دہائی میں شاویز نے ان اقدامات کو تیزی سے آگے بڑھایا جس کے باعث امریکی سامراج کی اس کیخلاف نفرت مزید بڑھتی گئی۔ لیکن شاویز وینزویلا سے سرمایہ دارانہ نظام کو مکمل طور پر اکھاڑ نہیں سکا اور اسی نظام کے اندر رہتے ہوئے عوام کی فلاح کے لیے اصلاحات کرتا رہا۔ انقلابی کیمونسٹ انٹرنیشنل کے راہنما اور شاویز کے قریبی دوست ایلن وڈز نے بارہا تلقین کی کہ ایک سوشلسٹ انقلاب کے ذریعے سماجی رشتوں کو تبدیل کرنے کی ضرورت ہے ورنہ یہ حاصلات واپس لے لی جائیں گی۔ لیکن شاویز اپنی زندگی میں اس پر عمل نہیں کر سکا۔

شاویز کی وفات کے بعد ماڈورو کے برسرِ اقتدار آنے کے بعد انقلاب کی زوال پذیری کے عمل کا آغاز ہوا اور سرمایہ داروں کو بتدریج رعایتیں دی جانے لگیں جبکہ کیمونسٹوں اور مزدور لیڈروں پر ریاستی جبر مسلط کیا گیا۔ اس انقلابی زوال پذیری کا اختتام اس سال کے آغاز پر ماڈورو کے اغوا سے ہوا جس کے بعد امریکی سامراج اس ملک کی معیشت پر مکمل طور پر قابض ہو چکا ہے۔ عوام میں حکومت کی کوئی حمایت موجود نہیں اور یہی وجہ ہے کہ امریکی سامراج سے شدید نفرت ہونے کے باوجود ماڈورو کی حمایت میں بڑے احتجاج نہیں ہو سکے۔

کیوبا

ٹرمپ اب کیوبا میں یہی عمل دہرانا چاہتا ہے۔ اس سال کے آغاز میں کیوبا کو تیل سپلائی کرنے پر پابندی لگائی جا چکی ہے جبکہ یہ ملک اپنی انرجی کی 60 فیصد ضروریات کے لیے تیل کی درآمد پر انحصار کرتا ہے۔ وینزویلا سے آنے والے تیل کی بندش کے بعد میکسیکو اور دیگر ذرائع سے آنے والا تیل بھی بند ہو گیا ہے جس کے باعث کیوبا اس وقت اندھیروں میں ڈوبا ہوا ہے اور ملک کی پوری آبادی شدید مشکلات کا شکار ہے۔ ٹرمپ امریکہ سے صرف 90 میل دور اس جزیرے کی معاشی ناکہ بندی کے ذریعے اس کی حکومت کو گرانا چاہتا ہے۔ کیوبا کے صدر کے استعفے کا مطالبہ کیا جا رہا ہے اور کیوبا کو امریکی کمپنیوں کی لوٹ مار کے لیے کھولنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔

کیوبا میں1959ء میں انقلاب کے بعد امریکی سامراج کے تسلط کا خاتمہ کیا گیا تھا جس کی قیادت فیڈل کاسترو اور چے گویرا نے کی تھی۔اس کے بعد کے عرصے میں کیوبا میں سرمایہ دارانہ نظام کا خاتمہ کرتے ہوئے ایک منصوبہ بند معیشت نافذ کی گئی جس کے بعد اس پسماندہ جزیرے کے عوام دنیا کے جدید معیار زندگی سے لطف اندوز ہوئے۔ناخواندگی کا مکمل خاتمہ کر دیا گیا اور ہر سطح پر علاج مفت فراہم کیا گیا۔ہر شخص کو روٹی، کپڑا اور مکان ریاست کی طرف سے فراہم کیا گیا۔
اس وقت کیوبا کے سرمایہ دار اور ان کے حواری انقلاب کے بعد فرار ہو کر امریکہ میں آباد ہو گئے تھے اور انہیں امریکہ کی طرف سے مکمل آشیر باد دی گئی تھی۔یہ امریکی پشت پناہی کیساتھ اس وقت سے کیوبا کیخلاف سازشیں کرنے میں مصروف ہیں اور اس انقلاب کو ختم کرنا چاہتے ہیں۔موجودہ امریکی وزیر خارجہ مارکو روبیو انہی کیوبنز کے خاندان سے تعلق رکھتا ہے اور کیوبا کی حکومت سے شدید نفرت کرتا ہے۔ٹرمپ نے ایک تقریر میں روبیو کو کیوبا کا نیا صدر بنانے کا عندیہ بھی دیا ہے۔
کیوبا کا انقلاب اتنی بڑی سامراجی طاقت کے انتہائی قریب ہونے کے باوجود ابھی تک بقا کی لڑائی کامیابی سے لڑتا آیا ہے۔اس دوران کیوبا کے اندر بھی زوال پذیری ہوئی ہے اور منصوبہ بند معیشت کے بیوروکریٹک کنٹرول کی وجہ سے عوام کو مسائل کا سامنا بھی کرنا پڑا ہے۔اس کے علاوہ چین اور ویتنام کے ماڈل پر کیوبا میں سرمایہ داری کی استواری کی کوششیں بھی اوپر سے کی گئی ہیں اور معیشت کے کچھ حصے نجی شعبے کے لیے بھی کھولے گئے ہیں لیکن ابھی تک کیوبا میں منصوبہ بند معیشت ہی موجود ہے اور یہ عالمی سرمایہ داری کے سمندر میں منصوبہ بند معیشت کا ایک جزیرہ ہی بچا ہے۔ماضی میں اسے سوویت یونین سے مدد ملتی رہی تھی اور وینزویلا کے انقلاب کے بعد اسے شاویز کی طرف سے تیل اور دیگر امداد کی شکل میں بڑی حمایت ملی تھی۔جواب میں کیوبا نے ڈاکٹروں اور دیگر حوالے سے وینزویلا کی مدد کی تھی۔
لیکن اس وقت کیوبا کا انقلاب اپنی تاریخ کے مشکل ترین دور سے گزر رہا ہے اور امریکی سامراج اس وقت اس انقلاب کا دم گھونٹ کر قتل کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔کیوبا میں امریکہ کی براہ راست

فوجی کاروائی کے امکانات بھی موجود ہیں لیکن وینزویلا کے برعکس یہاں پر فوجی کاروائی کا امریکہ کو بھرپور جواب ملے گا اور کیوبا کی پوری آبادی اس حملے کیخلاف جنگ کرنے کے لیے باہر نکل آئے گی اور موجودہ حکومت سے اختلافات کے باوجود اس کا بھرپور ساتھ دیگی۔ دوسرے الفاظ میں ایران جیسی صورتحال بن سکتی ہے گو کہ کیوبا ایران کی نسبت چھوٹا ملک ہے اور دفاعی طور پر بھی اتنا مضبوط نہیں۔ روس نے کیوبا کو تیل سپلائی کرنے کی کوشش کی ہے اور اس کے دو آئل ٹینکر کیوبا کے نزدیک موجود ہیں لیکن ابھی تک تیل کی سپلائی میں کامیابی نہیں ملی۔ اس کے علاوہ بھی مختلف ممالک سے امدادی قافلے کیوبا کی مدد کے لیے روانہ ہو چکے ہیں۔ اگر امریکہ کیوبا پر ایک جنگ مسلط کرتا ہے تو چین اور روس بھی کیوبا کی مدد کریں گے۔ اس کی وجہ یہ نہیں کہ روس اور چین کو کیوبا کے مخصوص منصوبہ بند نظام معیشت سے کوئی ہمدردی ہے بلکہ یہ تو کیوبا کی حکومت کو سرمایہ داری کی طرف تیزی سے آگے بڑھنے کا مشورہ دے رہے ہیں اور کیوبا کے وسائل کی لوٹ مار کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن ان کی دلچسپی اس لیے ہے کہ اس تنازعے میں انہیں امریکہ کے ہمسائے میں اپنا اثر ورسوخ بڑھانے کا موقع ملے گا۔

جنگ کے علاوہ ٹرمپ معاشی ناکہ بندی سے بھی اپنے مطلوبہ نتائج حاصل کرنے کی کوشش کرسکتا ہے اور اس کے لیے کیوبا کی حکومت سے مذاکرات کے سلسلے کا آغاز ہو چکا ہے۔ اس حوالے سے ٹرمپ کے پاس ایک ہتھیار یہ ہے کہ وہ پابندیوں کے خاتمے کے بدلے منڈی کی معیشت کی استواری کا مطالبہ کرے۔ اس موقع پر عوام کی موجودہ حالت میں یہ مطالبہ رد کرنا اتنا آسان نہیں ہوگا اور عوام کسی عارضی ریلیف کے لیے اس کی کسی حد تک حمایت بھی کر سکتے ہیں۔ لیکن دونوں صورتوں میں امریکی سامراج کے خونی پنجے گاڑنے کا عمل سے کیوبا کی عوام کی نفرت میں حتمی طور پر اضافہ ہی ہوگا۔ اس موقع پر لاطینی امریکہ کے دیگر ممالک کے حکمران صرف زبانی کلامی ہی مدد کر رہے ہیں اور امریکہ کے سامنے آکر للکارنے کی پوزیشن میں نہیں۔ صرف لاطینی امریکہ اور دنیا بھر کا محنت کش طبقہ ہی وہ واحد قوت ہے جو امریکی سامراج کا مقابلہ کرسکتا ہے اور کیوبا کے انقلاب کی حاصلات کا دفاع کرتے ہوئے کیوبا کے عوام کی مدد کرسکتا ہے۔ اس حوالے سے انقلابی کمیونسٹ

انٹرنیشنل ایک کمپئین کا آغاز کر چکی ہے جسے آنے والے دنوں میں مزید تیز کیا جائے گا۔

یورپ

یورپ کے حوالے سے امریکہ کی جانب سے شائع کردہ نیشنل سٹریٹجک دستاویز میں خبردار کیا گیا ہے کہ پورے براعظم کے طول وعرض میں ''تہذیب کا خاتمہ'' درپیش ہے اور وضاحت کی گئی ہے کہ ''یہ واضح نہیں کہ کچھ یورپی ممالک کی معیشتیں اور عسکری قوت اتنی طاقتور ہیں کہ وہ قابل اعتماد اتحادی رہ سکیں''۔

ٹرمپ کی امریکہ کو یوکرائن جنگ سے نکالنے کی کوششوں کے ساتھ گرین لینڈ اور اس کے وسائل پر قبضہ کی کوشش نے ''متحد مغرب'' کا سراب تباہ و برباد کر دیا ہے۔ اس کے نتیجے میں یورپی حکمران طبقہ مفلوج اور خوفزدہ ہے۔ ایک طرف امریکی سیکورٹی اور عسکری گارنٹی ختم ہو چکی ہے اور دوسری طرف روس دروازے پر کھڑا آنکھیں دکھا رہا ہے۔ اس صورتحال میں یورپی قوتوں کی لاچارگی سب کو عیاں ہو چکی ہے۔ ٹرمپ کی روس کے ساتھ مصالحت کی کوششیں یورپی ''اتحاد'' کی تمام کوششوں کو ناکام بناتی رہیں گی کیونکہ یورپ متضاد مفادات سے بھرپور ہے۔

ٹرمپ محض موجودہ یورپی قائدین کی کھیپ کو پرے نہیں ہٹا رہا۔ اس کی حکومت سرگرمی سے رائٹ ونگ یورپی یونین مخالف پارٹیوں کو شہہ دے رہی ہے جن میں جرمنی کی AfD جیسی پارٹیاں شامل ہیں تاکہ یورپی یونین کمزور اور پرانتشار ہو۔ یورپی سربراہان مملکت کو اتحادی کے بجائے کھلم کھلا معاشی مخالفین کے طور پر دیکھا جا رہا ہے۔ یورپ کا پرانتشار انحطاط ہو رہا ہے اور سیاسی اتحاد کا شیرازہ بکھر رہا ہے۔ ہنری کسنجر نے ایک مرتبہ کہا تھا کہ ''امریکہ کا دشمن ہونا خطرناک ہو گا لیکن امریکہ کا دوست ہونا جان لیوا ہے''۔

یوکرائن میں شکست کے سامنے یورپیوں نے روس کے خلاف اپنی ہرزہ سرائی آسمان پر پہنچا دی ہے تاکہ کسی قسم کا امن معاہدہ طے نہ ہو اور امریکہ مسلسل اس پراکسی جنگ میں دھنسا رہے۔ وہ اپنے آپ کو عسکری طور پر مضبوط بھی کرنا چاہتے ہیں تاکہ یوکرائن میں ایک روسی فتح کے نتیجے میں اپنے سامراجی مفادات کو محفوظ بنا سکیں۔

سٹارمر، میکرون اور میرز جیسے قائدین کی جنگجوانہ قوم پرستی اور للکاریں اپنے گھروں میں سیاسی بحران سے توجہ ہٹانے کا ایک اہم ذریعہ بھی ہیں۔ لیکن سامراجی میز پر اپنی کرسی کی حفاظت اور ٹرمپ کی خوشنودی کے لیے لازم ہے کہ وہ مسلح ہوں اور عسکریت پسندی کو ابھاریں۔ اس کا مطلب عسکری اخراجات میں اضافہ اور سماجی اخراجات میں کٹوتیاں ہے۔ دوسری عالمی جنگ کے بعد فلاحی ریاست کا قیام ایک سماجی حفاظت کا نظام تھا جسے اب سرمایہ داری کی حدود میں جاری رکھنا ناممکن ہو چکا ہے۔ ہمیں بتایا جا رہا ہے کہ روٹی سے پہلے بندوق لازم ہے۔ لیکن یورپی محنت کش طبقہ خاموشی سے یہ یلغار برداشت نہیں کرے گا۔ پورے یورپ میں تاریخی طبقاتی جدوجہد کی تیاری تیزی سے جاری ہے۔

اس تاریخی صورتحال میں ایک شدید معاشی بحران کا خطرہ منڈلا رہا ہے۔ 2008ء کے بحران اور اس کے بعد کے سالوں کے دوران حکومتیں دیوہیکل قرضہ اٹھا کر سرمایہ دارانہ نظام کو بیل آوٹ کرنے پر مجبور تھیں۔ آج یہ قرضہ سرمایہ دارانہ معیشتوں کے گلے کا طوق بن چکا ہے۔ معمولی یا نہ ہونے کے برابر معاشی بڑھوتری کے نتیجے میں اس بوجھ کو اٹھانے کا ایک ہی طریقہ بچا ہے کہ محنت کش طبقہ اس کی قیمت ادا کرے۔

ایک نئے بحران کے سامنے عالمی سرمایے کے حکمت کاروں کو سمجھ آ رہی ہے کہ وہ اپنا تمام معاشی اسلحہ استعمال کر چکے ہیں۔ وہ مسلسل قرضوں کے حصول کے ذریعے زندہ نہیں رہ سکتے کیونکہ قرضوں کی ادائیگی حکومتی بجٹوں کو دیمک کی طرح چاٹ رہی ہے اور بانڈ منڈی ان ممالک کے خلاف ہو چکی ہے جن کے کھاتے خساروں میں ڈوب رہے ہیں۔ عالمی معیشت اس وقت تاریخی قرضوں میں ڈوب چکی ہے اور ایک معاشی بحران فوری طور پر معاشی نظام کو 1930ء کی دہائی جیسی کھائی میں دھکیل سکتا ہے۔

عالمی معیشت تباہ حال ہے۔ یورپی معیشت جمود کا شکار ہے۔ امریکہ میں بڑھوتری ہو رہی ہے لیکن اس کی کیا بنیاد ہے؟ بے تحاشہ سٹہ، خاص طور پر آرٹی فیشل انٹیلی جنس (AI) میں، دیوہیکل بلبلوں کو جنم دے چکا ہے۔ سونے اور چاندی کی قیمت ابھی بھی پانچ ہزار ڈالر فی اونس کے آس پاس منڈلا

رہی ہے۔اس کا مطلب معیشت پر عدم اعتماد ہے۔ڈالر کی قدر میں کمی واقعہ ہو رہی ہے کیونکہ مرکزی بینک ڈالر کے بجائے سونا ذخیرہ کر رہے ہیں۔سٹہ بازی سے امریکی معیشت بڑھ رہی ہے لیکن یہ ڈاٹ کام بلبلے جیسا ہے۔پھر آج پوری دنیا میں سب سے زیادہ بچت کی امریکی اسٹاک منڈی میں سرمایہ کاری ہو چکی ہے، یعنی 63 فیصد گھرانے سرمایہ کاری کر بیٹھے ہیں۔جب بحران آئے گا تو اس کا دیوہیکل اثر ہوگا۔

یورپی معیشت تباہ ہو چکی ہے۔یوکرائن جنگ کے ذریعے انہوں نے دانستہ طور پر اپنے لیے سستے تیل اور گیس کی رسد کاٹ دی ہے۔اس لیے وہ امریکہ سے زیادہ مہنگی قدرتی مائع گیس خریدنے پر مجبور ہیں۔ٹرمپ یورپ سے نفرت کرتا ہے اور اس کے قائدین کو گھٹیا سمجھتا ہے۔یہ قائدین اپنے ممالک میں شدید غیر مقبول ہو چکے ہیں۔انہوں نے روس کا مقابلہ کرنے کے لیے ''رضامندوں کا اتحاد'' بنایا ہے لیکن وہ امریکہ کے بغیر خصی ہیں۔وہ مکمل طور پر ٹرمپ کے غلام بنے ہوئے ہیں جس کا اندازہ ان کے ذلت آمیز موبائل میسج سے ہوتا ہے۔یہ سب کچھ پوری دنیا نے ڈیووس میں دیکھا ہے۔

لیکن یورپی شدید مسائل کا شکار ہیں۔اگرچہ یورپ کو چین سے شدید معاشی خطرات لاحق ہیں لیکن ان میں سے کچھ اب چین کی جانب دیکھ رہے ہیں۔فرانس بھی چین سے قریبی تعلقات استوار کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔چین ایک تر و تازہ سامراج ہے جبکہ یورپ انحطاط پذیر ہے۔ ان کی اوقات یہ رہ گئی ہے کہ وہ چین سے سرمایہ کاری اور تجارت کی بھیک مانگ رہے ہیں۔یہ ان کی کمزوری کا کھلا اعتراف ہے۔وہ ایک مربوط کل ہونے کے برعکس مختلف ممالک کا اکٹھ ہیں۔ان پر کل مجموعی پیداوار (GDP) سے 100 فیصد زیادہ قرضہ ہے، صرف جرمنی کا کل قرضہ 63 فیصد ہے۔لیکن اب جرمنی نے اپنے آئین میں تبدیلی کی ہے تاکہ وہ اپنے اخراجات، خاص طور پر دفاعی اخراجات، بڑھا سکیں۔ان کا مستقبل بھی باقی ممالک کی طرح ہے کیونکہ پچھلے چار سالوں سے ان کی معیشت جمود کا شکار ہے۔وہ معیشت میں بڑھوتری پیدا کرنے میں ناکام رہیں گے جس کے نتیجے میں طبقاتی جدوجہد میں تیزی آئی گی جیسے اٹلی، یونان، بیلجیم اور پرتگال میں، اور اس کے علاوہ

فرانس میں بھی ریڈیکل تحریکیں موجود ہیں۔استحکام کا حصول ناممکن ہے۔

یوکرائن جنگ ہاری جا چکی ہے۔ بائیڈن نے یوکرین کی NATO ممبرشپ پر ضد کر کے روس کے ساتھ دانستہ طور پر جنگ کو چھیڑا۔اس کا مقصد تھا کہ روس کو تباہ و برباد یا کم ازکم شدید کمزور کر دیا جائے۔انہیں بہت غرور تھا کہ وہ اس مقصد میں کامیاب ہو جائیں گے۔ جدید تاریخ میں سب سے زیادہ پابندیاں روس پر لگا دی گئیں۔ان کو یقین تھا کہ معیشت منہدم ہو جائے گی اور مغرب کی مدد کے ساتھ پیوٹن کا اقتدار ختم ہو جائے گا۔ یہ تناظر ایک خودفریبی ثابت ہوا۔

شکست تو دور کی بات ہے روس ابتدائی مشکلات کے بعد میدان جنگ میں انسانی قوت اور ہتھیاروں کے حوالے سے برتر ثابت ہوا ہے۔ روس پر پابندیاں ناکام ہو چکی ہیں اور یوکرائن انہدام کے دہانے پر کھڑا ہے اگرچہ مغربی پروپیگنڈہ اس حقیقت کے منافی ہے۔ روسی GDP جنگ کے پہلے سالوں میں بڑھ رہا تھا اگرچہ پچھلے سال سے اس میں سست روی آئی ہے۔لیکن روس کے پاس بے تحاشا وسائل ہیں اور اس نے کئی متبادل بنا لیے ہیں۔ وہ خام مال برآمد اور مشینری، ٹیکنالوجی اور گاڑیاں درآمد کر رہا ہے۔ اس وقت چینی گاڑیاں روسی منڈی کا 60 فیصد حاصل کر چکی ہیں۔تیل ایک پائپ لائن کے ذریعے چین پہنچ رہا ہے۔یعنی برآمد ماضی کے برابر ہے لیکن اس کی قیمت کم ہے۔

یوکرینی عوام کو اس جنگ میں شدید نقصان ہوا ہے۔تقریباً 20 لاکھ افراد جبری بھرتی سے بھاگے ہوئے ہیں جبکہ دو لاکھ فوجی بھگوڑے ہو چکے ہیں۔اس دوران روس ہر جنگی محاذ پر پیش قدمی کر رہا ہے۔میزائلوں اور ڈرونز نے یوکرائن کا توانائی سیکٹر تباہ و برباد کر دیا ہے۔ یوکرین گھٹنے ٹیکے گا یا پھر عسکری طور پر شکست فاش ہو گی۔تیسرا کوئی راستہ نہیں۔

یورپ کے کئی ملکوں میں رائٹ ونگ پاپولزم اور لیفٹ کی جانب ریڈیکلائزیشن کا عمل متوازی آگے بڑھ رہا ہے۔ہم نے یہ غزہ کی حمایت میں ہونے والے احتجاجوں میں دیکھا ہے جب اٹلی میں 3 اکتوبر کو عام ہڑتال میں عوام نے بڑی تعداد میں شرکت کی تھی۔ایک چھوٹی یونین USB نے عام ہڑتال کی کال دی جس نے مرکزی یونین CGL کو مجبور کیا کہ وہ آغاز میں ہڑتال میں

شمولیت کی مخالفت سے پیچھے ہٹے اور ایک عام ہڑتال کی کال دے تاکہ صورتحال اس کے ہاتھوں سے باہر نہ ہو۔ 50 لاکھ محنت کشوں نے اس ہڑتال میں حصہ لیا۔ محنت کشوں نے فلوٹیلا کو بلاک کر دیا کہ وہ اسرائیل کے لیے ہتھیاروں کے کنٹینر لوڈ نہیں کریں گے۔ ایک نعرہ بلند ہوا۔ ''سب کچھ بلاک کر دو''۔ یہ محنت کش طبقے کی حقیقی طاقت کا اظہار ہے۔ لیکن امن معاہدے کے بعد یونین قائدین پسپاء ہو گئے اور تحریک ختم ہو گئی۔ لیکن اثرات ابھی بھی موجود ہیں۔

برطانیہ میں ریفارم یو کے پارٹی کی مقبولیت مسلسل بڑھ رہی ہے جبکہ دوسری طرف یور پارٹی، کوربن اور زارا سلطانہ کی پارٹی، کی ممبر شپ کے لیے آغاز میں آٹھ لاکھ افراد رجسٹر ہوئے تھے۔ پھر ہم زیک پولانسکی کی قیادت میں گرین پارٹی کی اٹھان بھی دیکھ رہے ہیں جو ریڈیکل باتیں کر رہا ہے۔ امریکہ میں ہم نے نیویارک میں ممدانی کی فتح دیکھی ہے جو ٹرمپ اور ڈیموکریٹک اسٹیبلشمنٹ کے خلاف جیتا ہے۔ وہ ایک ڈیموکریٹک سوشلسٹ کے طور پر کھڑا ہوا اور اس پر کمیونسٹ ہونے کے الزام میں شدید حملے کیے گئے۔

یورپ میں صورتحال کی عکاسی اس واقعے ہوتی ہے جہاں اس سال جنوری میں سوئٹزرلینڈ کے شہر ڈیووس میں ہونے والی اہم کانفرنس کے آغاز پر ٹرمپ نے سوشل میڈیا پوسٹیں لگانی شروع کر دیں جن میں اپنے تمام دوستوں اور اتحادیوں کو رسوا کیا گیا۔ یورپی قوتوں کے پاس دوسرا کوئی آپشن نہیں ہے۔ درحقیقت وہ مفلوج ہیں۔ وہ یوکرائن جنگ کو جاری رکھنے کی کوششیں کر رہے ہیں تاکہ ان کے حساب کے مطابق امریکہ یورپی دفاع میں ملوث رہے۔ لیکن اس عمل کی ایک حد ہے اور وہ حد کسی وقت پوری ہو جائے گی۔ عالمی سطح پر یورپی قوتیں کوئی فیصلہ کن کردار ادا نہیں کر سکتیں کیونکہ وہ طویل عرصہ سے معاشی انحطاط کا شکار ہیں۔ یہ اصل بنیاد ہے۔ ان کا طویل معیاد معاشی انحطاط یوکرائن جنگ پر لاپرواہ اور غیر ذمہ دارانہ پالیسیوں کی وجہ سے اب تیز تر اور گھمبیر ترین ہو چکا ہے کیونکہ انہوں روس سے سستے گیس اور تیل کی سپلائی ختم کر دی ہے۔ اس عمل میں وہ امریکہ سے LNG گیس پر منحصر ہو چکے ہیں جو اب گرین لینڈ پر قبضہ کرنے کی دھمکیاں دے رہا ہے۔ یہ ایک NATO ملک کا حصہ ہے۔ اس لیے یورپ مکمل طور پر ایک ایسی سامراجی قوت کا غلام ہے

جیسے یورپ میں اب کوئی دلچسپی نہیں۔

یورپ میں اس بحران نے اتنے قابل رحم حکمرانوں کو جنم دیا ہے۔۔سٹارمر، میکرون اور میرز۔۔جو ایک دوسرے کی بھی شدید نفرت کا شکار ہیں لیکن سمجھتے ہیں کہ وہ ایک ''رضامندوں کا اتحاد'' بنا کر یہ کام کر سکتے ہیں۔ درحقیقت، ہر مرحلے پر انہوں نے واضح کیا ہے کہ وہ امریکہ کے بغیر کچھ نہیں کر سکتے۔

اس وجہ سے وہ مکمل طور پر ٹرمپ کے غلام بنے ہوئے ہیں جس کا خود ٹرمپ نے ان کے ساتھ کیے فون پر میسیج سوشل میڈیا پر شائع کر کے بھانڈا پھوڑ دیا ہے۔ میکرون کیا کہہ رہا ہے؟ ''تم نے جو شام میں کیا ہے وہ کمال ہے اور ہم ایران میں عظیم کام کر سکتے ہیں۔ لنچ پر ملاقات کرتے ہیں اور گرین لینڈ کا مسئلہ حل کرتے ہیں''۔ پھر میکرون نے کالے شیشوں کی عینک چڑھا کر ڈیووس پر اسٹیج سنبھال لیا اور تقریر کرتے ہوئے چین کا تذکرہ کیا۔ اس نے چین کے متعلق کیا کہا؟ اس نے کہا کہ ''ہمیں چین سے قریبی تعلقات بنانے ہیں''۔ اس کی سمجھ آتی ہے کیونکہ اگر تمہارا مرکزی اتحادی امریکہ تم پر ہی حملے کر رہا ہے تو تم حریف حریف کھیلو گے۔ لیکن اگر آپ غور سے سنیں تو اس نے کہا ہے کہ'' ہمیں چین سے قریبی تعلقات بنانے ہیں۔ لیکن اس تعلق کی بنیاد صرف چین کی یورپی یونین کو دیوہیکل برآمدات نہیں ہو سکتی۔ ایک ایسی صورتحال ہونی چاہیے کہ چین اپنی کچھ ٹیکنالوجی یورپ کو منتقل کرے''۔ چین ایک متحرک اور ٹیکنالوجی کے اعتبار سے ایک جدید سامراجی قوت ہے اور یورپ میلوں میل دور ہے۔ وہ چین سے بھیک مانگ رہے ہیں ''براہ مہربانی! مجھے اپنی کچھ ٹیکنالوجی دے دو''۔

یوکرائن جنگ

یوکرائن جنگ کے آغاز پر انقلابی کمیونسٹوں نے جو تناظر دیا تھا وہ آج بھی درست ہے۔ میدان جنگ میں روس کا ٹیکنالوجی، پیداوار اور افرادی قوت کے حوالے سے پلڑا بھاری ہے۔ مستقبل قریب میں یوکرائن، یورپ یا امریکہ مختلف وجوہات کی بنیاد پر کچھ نہیں کر سکتے۔

یوکرائن کے ایک وزیر نے کہا ہے کہ 20 لاکھ افراد جبری بھرتی سے بھاگے ہوئے ہیں اور جنگ

سے 2 لاکھ فوجی بھگوڑے ہو چکے ہیں۔ دسمبر میں ہم نے تمام جنگی محاذوں پر روس کی اہم پیش قدمی اور کلیدی شہروں پر قبضے دیکھے۔ اب میزائلوں اور ڈرونز کا بے دریغ استعمال کر کے روس نے یوکرین کا توانائی سیکٹر تباہ و برباد کر دیا ہے۔

اس طرح ایک ایسی صورتحال پیدا ہو رہی ہے کہ روس اس جنگ میں اپنے اہداف ایک معاہدے یا عسکری پیش قدمی کے ذریعے حاصل کر لے گا۔ یورپی سرمایہ دار قوتیں اس نئی صورتحال سے نمٹنے سے قاصر ہیں۔ کیونکہ سب سے بڑی رکاوٹ یہ ہے کہ یورپ ایک واحد ملک نہیں۔ یہ مختلف ممالک کا ایک اکٹھ ہے جس میں مختلف سرمایہ منڈیاں، قوانین وغیرہ موجود ہیں۔

لیکن سب سے اہم وجہ، جو امریکہ اور دیگر ممالک پر اثر انداز ہے، دیوہیکل ریاستی قرضوں کا بوجھ ہے جو 2008ء سے اب تک 15 سالوں کا نتیجہ ہے یعنی مصنوعی طور پر پیسہ بنانا تاکہ معیشت میں سرمایہ کاری کر کے تباہ کن سماجی دھماکوں سے بچا جا سکے۔ اسپین، فرانس، اٹلی، برطانیہ؛ تمام کا قرضہ کل GDP کے 100 فیصد سے زیادہ ہے۔

ایک ہی ملک جرمنی کچھ صحت مند ہے جس کا قومی قرضہ GDP کا 63 فیصد ہے۔ لیکن انہوں نے ابھی قانون سازی کی ہے تاکہ وہ زیادہ قرضہ لے کر زیادہ اخراجات کر سکیں اور انہوں نے بھی یہی راستہ اپنا لیا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ وہ ایک ارب یورو قرضہ لیں گے، اسے معیشت، انفراسٹرکچر، دفاع وغیرہ میں سرمایہ کریں گے لیکن اس کا معیشت کے اوپر اثر نہیں پڑے گا۔ جرمنی میں معاشی جمود کا یہ چوتھا سال ہے۔ یہ ملک ایک زمانے میں یورپ کی سب سے طاقتور معیشت ہوتا تھا۔ اب یہ صورتحال کبھی دوبارہ بحال نہیں ہو گی۔

ابھی سے عمل شروع ہے لیکن اس کا یورپی طبقاتی جدوجہد پر بے پناہ اثر پڑے گا۔ پچھلے چند مہینوں میں ہم نے اٹلی، یونان، بلجیم، پرتگال، فرانس وغیرہ میں دیوہیکل عوامی تحریکیں دیکھی ہیں۔ فرانس میں تو معاملہ اور بھی واضح ہے جہاں پارلیمنٹ میں ایک سادہ اکثریت ممکن نہیں کہ لازمی سماجی کٹوتیاں کرتے ہوئے محنت کش طبقے پر تابڑ توڑ حملے کیے جا سکیں جس کے ذریعے ہی حکمران طبقہ بحران کو حل کر سکتا ہے۔

یہ رائٹ ونگ پاپولزم کے ابھار کی ایک بنیادی وجہ بھی ہے۔لیکن جو عمل ہم نے بیان کیا ہے، اس کا آغاز 2008ء میں ہوا تھا، کہ تمام بورژوا اداروں کا جواز شدید خطرات سے دوچار ہو چکا ہے۔

عالمی معیشت کی حالت

ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ ایران جنگ کے بعد اسٹاک منڈیوں کی کیا حالت ہے اور تیل، گیس، فرٹیلائزر جیسی اہم مصنوعات اور صنعتوں کے لیے انتہائی اہم کیمیکل کی قلت پوری دنیا کی معیشت کو تباہی کے دہانے پر لے جا رہی ہے۔لیکن اس جنگ سے پہلے کی صورتحال بھی حوصلہ افزا نہیں تھی۔

اس وقت بھی اگر آپ پوری دنیا پر ایک طائرانہ نگاہ ڈالتے تو یورپی معیشت مکمل طور پر منجمد اور مفلوج نظر آ رہی تھی۔امریکی معیشت کی شرح نمو بڑھ رہی تھی۔لیکن اس بڑھوتری کا جوہر کیا تھا؟ کیونکہ یہ عالمی معیشت کا ایک بڑا اور اہم حصہ ہے۔

جنوری کے آخر میں سونے اور چاندی کی قیمتوں میں ایک دیوہیکل گراوٹ کا آغاز ہو چکا تھا جو ایران جنگ کے دوران بھی نظر آیا۔جنوری کے آخر میں سونے کی قیمت میں پندرہ فیصد کمی ہو چکی تھی اور چاندی کا ریٹ پینتیس فیصد گر چکا تھا۔لیکن اس سے قبل سونے اور چاندی کی قیمتوں میں پچھلے سال دیوہیکل اضافہ ہوا تھا۔سونے کی قیمت اس گراوٹ سے پہلے پانچ ہزار چھ سو ڈالر فی اونس تک پہنچ چکی تھی۔لیکن ایک سال پہلے اس کی قیمت دو ہزار آٹھ سو ڈالر فی اونس تھی۔یعنی بارہ مہینوں میں اس کی قیمت میں سو فیصد اضافہ ہوا ہے۔

اب اس کی قیمت میں دس یا پندرہ فیصد کمی ہو چکی ہے لیکن پھر بھی یہ چار ہزار آٹھ سو ڈالر ہے جو ایک سال پہلے دو ہزار آٹھ سو ڈالر سے کہیں زیادہ ہے۔ چاندی کی قیمت میں سونے سے بھی زیادہ اضافہ ہوا ہے۔ پھر یہ سب کیا ہے؟ پہلے تو ایسا لگتا ہے کہ سونا خریدنے کا یہی وقت ہے۔ کیونکہ اس کی قیمت میں اضافہ ہو گا۔اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ اسے ایک محفوظ سرمایہ کاری سمجھا جاتا ہے اور اسی وجہ سے سرمایہ دار سٹہ باز معیشت کی عمومی صورتحال پر بہت زیادہ پریشان ہیں۔امریکی ڈالر کی قیمت میں کمی ہو رہی ہے جو پہلے سب سے محفوظ کرنسی سمجھا جاتا تھا۔

اس لیے لوگ اپنا پیسہ سونے میں رکھ رہے ہیں۔ سونے کی قیمت میں اس دیوہیکل اضافے کی ایک وجہ یہ ہے کہ پوری دنیا میں مرکزی بینک اپنا پیسہ ڈالر سے سونے پر منتقل کر رہے ہیں۔ یہ انتہائی اہم معاملہ ہے۔ ایک اور امر یہ ہے کہ سونے اور چاندی کی یہ پرانتشار قیمت بتا رہی ہے کہ سٹہ بازوں، اسٹاک مارکیٹ وغیرہ کی پریشانی سے سانسیں اکھڑ رہی ہیں۔

اس سارے معاملے میں دیوہیکل سٹہ بازی جاری ہے۔ اسٹاک منڈی میں دیوہیکل اضافہ، ٹیکنالوجی کمپنیوں کی قیمت میں اضافہ وغیرہ۔ یہ امریکی معیشت میں نام نہاد بڑھوتری میں ایک بڑا کردار ادا کر رہا ہے۔ امریکی معیشت میں ابھی نمو ہے لیکن کمپنیاں ہزاروں کی تعداد میں برخاستگیوں کا اعلان کر رہی ہیں۔

ایمازون نے ابھی سولہ ہزار ملازمین کو نوکری سے نکالا ہے۔ اس ضمن میں آرٹی فیشل انٹیلی جنس (AI) کے حوالے سے بھی بہت سوالات موجود ہیں جو درحقیقت معیشت سے متعلق ہی ہیں۔ یہ سب مبالغہ آرائی ہے۔ AI کے حوالے سے ہر جگہ اور خاص طور پر امریکہ میں بہت مبالغہ آرائی ہے۔ چین میں وہ صنعتی پیداوار، مینوفیکچرنگ وغیرہ کے حوالے سے AI کو عملی طور پر لاگو کرنے پر توجہ دے رہے ہیں۔ لیکن امریکہ میں ایسا لگتا ہے کہ AI کا زیادہ تر مقصد میمز یا فوری طور پر جعلی ویڈیوز بنانا ہی ہے۔

لیکن AI کے حوالے سے حقیقی سرمایہ کاری ہو رہی ہے، ڈیٹا سنٹروں کی تعمیر وغیرہ جس سے نوکریاں پیدا ہوتی ہیں۔ لیکن کسی کو نہیں معلوم کہ اس صنعت کا مستقبل کیا ہے، کیا اس سے کچھ فائدہ حاصل ہوگا، کیا یہ چند سالوں بعد قائم بھی رہے گی۔ اس کی اکیسویں صدی کے آغاز میں ڈاٹ کام بلبلے سے بہت مماثلت ہے۔ اس وقت کچھ لوگوں نے بے پناہ پیسہ کمایا لیکن پھر سب کچھ زمین بوس ہو گیا۔ اب معاملہ یہ ہے کہ امریکی خاندانوں اور گھرانوں کی ایک بہت بڑی شرح نے اپنی بچت اسٹاک مارکیٹ میں لگا رکھی ہے۔

کیوں؟ کیونکہ اجرتوں میں اضافہ نہیں ہو رہا۔ بظاہر آپ اسٹاک مارکیٹ میں سرمایہ کاری کر کے بہت زیادہ پیسہ بنا سکتے ہیں۔ لیکن 1929ء انہدام کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ گالبریتھ نے

ایک واقعہ سنایا کہ کینیڈی سنئیر نے کہا تھا کہ وہ ایک جوتے چمکانے والے لڑکے سے جوتے صاف کروا رہا تھا۔ اس لڑکے نے اسے بتایا کہ اس کی بچت اسٹاک مارکیٹ میں لگی ہوئی ہے۔ کینیڈی نے کہا ''اچھی بات ہے لیکن مجھے اس وقت سمجھ لگ گئی تھی کہ اب پیسہ نکالنے کا وقت آ گیا ہے''۔ اس لیے ایک دیوہیکل سٹے کا بلبلہ موجود ہے۔

لوگ اپنا پیسہ اسٹاک مارکیٹ میں اس لیے لگاتے ہیں کیونکہ اسٹاک مارکیٹ اوپر چڑھ رہی ہوتی ہے اور اسٹاک مارکیٹ اوپر اس لیے چڑھ رہی ہوتی ہے کیونکہ لوگ سرمایہ کاری کر رہے ہوتے ہیں۔ اس وقت بے تحاشہ طریقہ کار موجود ہیں جن کے ذریعے سڑک پر چلتا پھرتا ایک عام آدمی بھی تھوڑی بہت سرمایہ کاری کر لیتا ہے۔

اس کا مطلب ہے کہ جب تاش کے پتوں کی ڈھیری بکھرے گی تو حقیقی معیشت پر اس کا دیوہیکل اثر پڑے گا اور کروڑوں محنت کشوں کی بچت مکمل طور پر ملیامیٹ ہو جائے گی۔ کچھ مبصرین نے نام نہاد امریکی بحالی کو **K** شکل بحالی کہا ہے۔ **K** دیکھنے میں کیسا ہے؟

ایک ہی نکتے سے مخالف سمت میں نکلتی دو ٹیڑھی لکیریں ہیں ایک اوپر کی جانب بڑھ رہی ہے اور دوسری نیچے۔ اوپر جانے والی لکیر سماج کی چوٹی ہے جو اس وقت بے پناہ پیسہ بنا رہی ہے۔ اس وقت ایک فیصد امریکی گھرانوں کے پاس ملکی دولت کا بتیس فیصد ہے۔ یہ پچھلے ساٹھ سالوں یا شاید دوسری عالمی جنگ کے بعد سب سے زیادہ شرح ہے جبکہ نچلے پچاس فیصد کے پاس کل دولت کا ڈھائی فیصد ہے۔ آپ کو ماضی میں دولت میں ایسا ہی دیوہیکل تفاوت دیکھنے کے لیے دونوں عالمی جنگوں کے درمیانے عرصے یعنی **1920-30**ء کی دہائی کی طرف جانا پڑے گا اور امریکہ میں یہ عمل مسلسل جاری ہے۔ اس کے انتہائی سنجیدہ سیاسی نتائج ہوں گے۔ اس بنیاد پر آپ ٹرمپ کی انتخابی فتح کو سمجھ سکتے ہیں۔

ڈالر کا انحطاط

اس ساری صورتحال میں امریکی ڈالر کی قدر اور عالمی معیشت میں پوزیشن کا بہت سنجیدہ زوال جاری ہے۔ اس کی وجہ کئی عناصر ہیں۔ ایک، امریکی معیشت اس وقت دیوہیکل قرضوں میں دبی

ہوئی ہے۔ بجٹ خسارہ مسلسل بڑھ رہا ہے۔اب کل قرضہ 31 ٹریلین ڈالر سے زائد ہو چکا ہے۔ یہ نا قابل برداشت ہے۔امریکہ دنیا کی طاقتور ترین معیشت تھااوراس وجہ سے اپنا قرضہ برداشت کرر ہا تھا۔

وہ ریاستی بانڈز جاری کرتے تھےاورلوگ انہیں خرید لیتے تھے کیونکہ انہیں ایک محفوظ قدر سمجھا جاتا تھا۔لیکن اب سب کچھ بدل چکا ہے۔اس میں ٹرمپ کی پالیسیوں نے ایک بڑا کردارادا کیا ہے۔ اس نے محصولات کوایک ہتھیار بنا لیا ہے جس کے نتیجے میں دیوہیکل غیر یقینی پیدا ہو چکی ہے۔ سرمایہ داروں کوغیر یقینی کی صورتحال بالکل پسند نہیں۔انہیں ایک ایسی صورتحال پسند نہیں جس میں آج100 فیصد محصولات ہیں،کل یہ10 فیصد ہو جائیں گی اور پرسوں150 فیصد۔

اس لیےانہیں یہ معاملہ بالکل پسند نہیں۔لیکن تجارت اور محصولات کوٹرمپ حکومت نے مسلح کر کے ان پالیسیوں سے متاثرممالک میں ردعمل کوجنم دیا ہے۔انڈیاامریکہ کا قریبی اتحادی تھااوراب وہ روس اور چین کے قریب جانے پر مجبور ہو چکا ہے۔

ہرطرف یہی معاملہ ہے۔اوراب اس کا کئی ممالک پراثر پڑ رہا ہے جوسنجیدگی سے سوچ رہے ہیں کہ کیا عالمی معیشت میں ڈالر کے کردار کا متبادل تعمیر کیا جا سکتا ہے۔ہمیں اس میں مبالغہ آرائی نہیں کرنی چاہیے۔ہم ابھی بالکل ابتدائی مراحل میں ہیں۔لیکن واضح طور پراس کی ترغیب موجود ہے۔ آپ کومعلوم ہے جب یورپ میں روسی اثاثہ جات کوضبط کیا گیا توانہوں نے ایک بنیادی اعتماد کو چکنا چور کر دیا۔اس لیے دیگرممالک بھی سوچ رہے ہیں کہ کل کوامریکہ ان سے بھی ناراض ہوسکتا ہے۔اس لیےاب وہ اپنے اثاثہ جات کے حوالے سے کم از کم دوبارتو سوچیں گے۔

سال2000ء میں امریکی ڈالر عالمی غیرملکی کرنسی ذخائر کا70 فیصد تھا۔آج بھی امریکی ڈالر کی بالادست حیثیت ہے لیکن وہ نہیں جو بیس سال پہلے تھی۔2025ء میں پہلی مرتبہ مرکزی بینکوں کے پاس امریکی ڈالر سے زیادہ سونا ذخیرہ ہے۔غیرملکی سرمایہ کاروں کے پاس،جن میں سے کئی ادارہ جاتی سرمایہ کار ہیں،50 فیصد امریکی بانڈز موجود ہوتے تھے جواب گھٹ کر30 فیصد رہ گئے ہیں۔

اگر نیشنل سیکیورٹی اسٹریٹجی دستاویز کا مطالعہ کریں تو اس میں واضح طور پر لکھا ہے کہ امریکی ڈالر کا کردار محفوظ بنانا لازم ہے۔ ''کسی متبادل کی اجازت ہرگز نہیں دی جاسکتی''۔

جین زی انقلابات

اس سال کے آغاز پر ہم ایران، وینزویلا اور کیوبا کے بارے میں بات کر رہے ہیں۔ لیکن زیادہ عرصہ نہیں گزرا پچھلے سال، ستمبر اور اکتوبر میں، ہم بالکل مختلف چیزوں پر بات کر رہے تھے۔۔ جین زی انقلابات کی لہر۔ ہمیں بھولنا نہیں چاہیے کہ یہ چار پانچ مہینے پہلے کی بات ہے۔ اور ابھی ان کا اختتام نہیں ہوا۔

یہ مخصوص لہر اختتام پذیر ہو چکی ہے لیکن یہ واپس آئے گی کیونکہ جن حالات نے اس لہر کو جنم دیا تھا وہ موجود ہیں۔ ایک لمحہ کے لیے سوچیے۔ انڈونیشیا میں ہم نے نوجوانوں کی عوامی تحریک دیکھی۔ نیپال میں حکومت کا خاتمہ، حیران کن مناظر جن میں ریاستی عمارات کو آگ لگا دی گئی اور حکومتی وزیروں پر غصہ نکالا گیا۔ مڈغاسکر میں حکومت کا خاتمہ، مراکش میں عوامی احتجاج۔ اور ہم نے ان سب پر اس وقت بحث مباحثہ کیا۔ لیکن واضح طور پر اس کی وجہ عوام کی ان ممالک میں حالت زار ہی نہیں ہے۔

صرف اس وجہ سے انقلابات نہیں ہوتے کہ عوام کی حالت بدتر ہے۔ ایک انقلابی صورتحال کو پیدا کرنے وجہ یہ ہے کہ عام عوام، خاص طور پر نوجوان، دیکھتے ہیں کہ چوٹی پر بیٹھے سیاست دان اور حکمرانوں کے بچے کس طرح اپنی دولت کی نمائش کر رہے ہیں، وہ مسلسل بگڑتی صورتحال کے اندر بے پناہ دولت لوٹ رہے ہیں۔ پھر ایک ایسا لمحہ آتا ہے جب وہ کہتے ہیں کہ ''اب ہمیں کچھ کرنا ہے''۔ پھر ہمیں نیپال نظر آتا ہے جہاں عوام سڑکوں پر نکل آئی، پولیس کے خلاف مزاحمت کی اور حکومت کا تختہ الٹ دیا۔

وہ کہتے ہیں ''ہاں، یہ اچھا خیال ہے۔ ہمیں بھی یہی کام کرنا ہے''۔ جب بورژوا میڈیا جین زی کے بارے میں بات کرتا ہے تو وہ اس پر ایک ایسا لیبل لگانے کی کوشش کرتے ہیں جس کے پیچھے تحریکوں کا حقیقی طبقاتی جوہر چھپ جائے۔

جب نیپال میں عوام حکمران طبقے کے ان بچوں کے خلاف اپنا غم وغصہ نکال رہی تھی جو اپنی دولت کی نمائش کرتے ہیں، تو حکمران طبقے کے یہ بچے بھی تو جین زی کا حصہ ہیں۔ ہم پہلے بھی بات کر چکے ہیں کہ لوگوں کی ایک نسل ہے جو سرمایہ دارانہ بحران کے دوران پروان چڑھی ہے اور سیاسی شعور حاصل کیا ہے۔ انہوں نے کبھی استحکام یا معیارِ زندگی میں بہتری نہیں دیکھی۔

ماحولیاتی بحران، غزہ میں نسل کشی اور قیادتوں کی بے حسی نے انہیں مزید ریڈیکلائز کر دیا ہے۔ ظاہر ہے کہ ہمیں اس سوال پر زور دینا ہے۔ یہ تحریکیں بہت انقلابی، بہت ولولہ انگیز ہیں۔

لیکن عمل میں ثابت ہو چکا ہے کہ بہر حال ان کی واضح حدود ہیں۔ ظاہر ہے 2008ء کے بعد یہ کوئی پہلی انقلابی لہر نہیں ہے جس کے ہم گواہ ہیں۔ 2011ء میں عرب بہار، آکو پائی وال اسٹریٹ، انڈیگناڈوس تحریک وغیرہ۔ پھر 2019ء، 2020ء میں چلی، ایکواڈور، امریکہ میں بلیک لائیوز میٹر، کئی ممالک، سوڈان، سری لنکا۔ پچھلے سال بنگلہ دیش وغیرہ۔ ان تمام تحریکوں میں سب سے واضح مسئلہ ایک انقلابی قیادت کا بحران ہے۔ لیفٹ پر دیوہیکل خلا موجود تھا۔

امریکہ میں مینیاپولس بغاوت اور طبقاتی جدوجہد

امریکہ میں ٹرمپ کی ایران پر مسلط کردہ جنگ کی وسیع پیمانے پر مخالفت موجود ہے۔ ٹرمپ کے بہت سے کٹر حامی بھی اس کی مخالفت کر رہے ہیں۔ درحقیقت اس جنگ میں ناکامی کے باعث ٹرمپ کو اس سال وسط مدتی انتخابات میں شکست کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے۔ اس کی اپنی کابینہ میں اس جنگ کی مخالفت کرنے والے لوگ موجود ہیں۔ اس جنگ کے بعد مہنگائی کی لہر کے اثرات امریکہ پر بھی مرتب ہو چکے ہیں اور آنے والے عرصے میں افراطِ زر مزید بڑھے گا۔ درحقیقت امریکہ کی سیاست بہت بڑے زلزلوں کی جانب بڑھ رہی ہے۔

لیکن اس جنگ سے پہلے ہی صورتحال بڑے طوفانوں کا عندیہ دے رہی تھی اور طبقاتی جنگ میں شدت آ چکی تھی۔ جنوری میں امریکی ریاست مینیاپولس میں ICE کے خلاف تحریک برپا ہوئی اور اس ریاست میں ایک عام ہڑتال ہوئی جو دیگر شہروں میں بھی پھیل گئی۔ سات دہائیوں بعد امریکہ میں ایسا واقعہ پیش آیا۔ یہ بہت اہم پیش رفت ہے۔ مینیاپولس میں تحریک پچھلی تمام تحریکوں کے

مقابلے میں سب سے زیادہ معیاری تھی۔ اس میں پچھلی تمام تحریکوں کے تجربات اور اسباق پنہا ہیں۔2020ء میں مینیاپولس میں جارج فلائیڈ کے پولیس کے ہاتھوں قتل کے خلاف تحریک بھی اہم واقعہ تھا جس میں پورے امریکہ میں تین کروڑ سے زائد لوگوں نے احتجاجوں میں حصہ لیا تھا۔ اسی طرح پچھلے موسم گرما میں کیلی فورنیا میں ICE چھاپوں کے خلاف عوامی تحریک، شکاگو میں موسم سرما کے دوران ICE چھاپوں کے خلاف مزاحمت۔ واقعات کی فہرست طویل ہوتی جا رہی ہے۔

لیکن یہاں مینیاپولس میں ہزاروں افراد، ہزاروں عام محنت کشوں اور متوسط طبقے کے افراد، جنہوں نے پہلے کبھی کسی سیاسی سرگرمی میں حصہ نہیں لیا تھا، محلّہ کمیٹیوں میں منظّم ہو رہے تھے جو ICE گشت کا پیچھا کرتے ہوئے درحقیقت ICE آپریشنوں کی نگرانی منظّم کر رہے تھے۔

وہ کوشش کر رہے تھے کہ ٹرمپ کی طرف سے غیر قانونی مہاجرین کیخلاف شروع کیے جانے والے یہ چھاپے ناکام ہو جائیں۔ وہ سرمایہ دار ریاست کی مسلح قوتوں کے خلاف اپنے ہمسایوں اور ان محلوں میں رہنے والوں کے دفاع کے لیے منظّم ہو رہے تھے۔ اگر آپ کچھ افراد کے بیانات پڑھیں تو ان کا کہنا تھا کہ ’’میں پولیس کو پسند کرتا تھا۔ میرا خیال تھا پولیس ہمارے دفاع کے لیے ہے۔ لیکن اب ایسا نہیں ہے‘‘۔

ایک 70 سالہ خاتون قانونی تربیت حاصل کر رہی ہے کہ ایک ICE مہاجر مخالف چھاپے سے کیسے نمٹنا ہے۔ پھر ایک عام ہڑتال کا خیال! یہ درست ہے کہ قانونی اعتبار سے 27 جنوری کو مینیاپولس میں جو ہوا وہ ایک عام ہڑتال نہیں تھی کیونکہ یونین قائدین میں قانون کو توڑ کر اسے منظّم کرنے کی ہمت نہیں تھی۔ لیکن یہ واضح تھا کہ دسیوں ہزاروں افراد نے کام سے چھٹی کی، سیاسی وجوہات کے لیے سارا دن کام روکے رکھا اور پھر منفی ڈگری سردی میں سڑک پر کھڑے ہو کر احتجاج کیے۔ اگر یہ لوگ اسے عام ہڑتال کا نام دینا چاہتے ہیں تو اچھی بات ہے۔ اگر وہ یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ ICE کو روکنے کے لیے ایک ملک گیر شٹ ڈاون، ایک عام ہڑتال کی ضرورت ہے تو عام عوام اس وقت جو سیاسی نتائج اخذ کر رہی ہے اس کے نکتہ نظر سے یہ انتہائی اہم پیش رفت ہے۔ عوام یہ کہہ رہی ہے کہ اپنی لیبر کو روک کر معیشت کو روکنا اور ریاست کی قوت کا مقابلہ کرنا

ہماری طاقت ہے۔ جمعہ کے دن اس کا ایک مرتبہ پھر اظہار ہوا۔ بڑے شہروں، اسکولوں اور یونیورسٹیوں میں لاکھوں افراد نے واک آؤٹ کیا۔

سب سے اہم معاملہ یہ ہے کہ ہر جگہ ٹرمپ کو پیچھے ہٹنا پڑا۔ بلکہ ٹرمپ کو دکھانا پڑا کہ وہ پیچھے ہٹ رہا ہے۔ یہ بہت اہم ہے۔ گرین لینڈ کے معاملے میں بھی یہی ہوا۔ اس نے یہ منصوبہ ترک نہیں کیا۔ لیکن اس کی نیٹو کے سربراہ مارک روٹے سے بات ہوئی ہے اور کسی کو نہیں معلوم کہ کیا بات ہوئی ہے۔ بظاہر ایسا لگتا ہے کہ ان کے درمیان ایک معاہدہ ہو گیا ہے جس کی تفصیل کسی کو نہیں معلوم۔ ٹرمپ اپنی سرگرمیوں پر اسٹاک منڈی اور منڈیوں کے ردعمل کے حوالے سے بہت پریشان تھا۔ محصولات کی دھمکی، رد محصولات کی دھمکی وغیرہ۔ اس لیے اس نے کہا کہ ''اچھا، تھوڑا پیچھے ہٹتے ہیں''۔ امریکہ کے حوالے سے دیکھا جائے تو مینیاپولس میں ان ICE چھاپوں کا کیا مطلب ہے؟ ٹرمپ واضح طور پر ڈیموکریٹک میئرز اور گورنرز کو مشتعل کرنا چاہتا ہے۔ اگر اعداد وشمار کو دیکھا جائے تو اوباما نے ٹرمپ سے زیادہ افراد ملک بدر کیے ہیں لیکن یہ کام کم افراتفری اور مزاحمت کے ساتھ ہوا۔

یہ کوئی حادثہ نہیں بلکہ ٹرمپ کی پالیسی کا مقصد ملک بدری سے زیادہ عوام میں خوف و ہراس پھیلانا ہے تاکہ وہ مضبوط نظر آئے، کہ وہ تارکین وطن کا معاملہ دیکھ رہا ہے اور اس وقت شدید متحرک ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ گریگوری بووینو جیسے پاگل ہر جگہ جا کر سب کو شدید مشتعل کر رہے ہیں۔ یہ کوئی حادثہ نہیں بلکہ ایک سوچی سمجھی حکمت عملی ہے۔ وہ یہی کام کرنا چاہتے ہیں۔

اس کا نتیجہ شدید ردعمل ہے جو سرمایہ دار ریاست کا پورا ڈھانچہ گرانے کے درپے ہے۔ صورتحال اتنی گھمبیر ہو چکی ہے کہ تمام بورژوا اخباروں نے اداریے لکھ لکھ کر ٹرمپ کی منتیں کی ہیں کہ سکون کرو، مینیاپولس میں تھوڑا پیچھے ہٹو۔ اس میں ٹرمپ کے سب سے بڑے حامی پروپیگنڈہ اخبار فاکس نیوز اور نیویارک پوسٹ بھی شامل ہیں۔

سامراج کو شکست کیسے دی جا سکتی ہے؟

لینن اپنی تصنیف ''سامراج: سرمایہ داری کی حتمی منزل'' میں سامراج کی بنیادی ترین توصیفات کو

ذیلی فہرست میں بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے:

''(1) پیداوار اور سرمائے کا ارتکاز ایک ایسی انتہائی سطح پر ارتقا پا چکا ہے کہ اس نے اجارہ داریاں تخلیق کر ڈالی ہیں جو کہ معاشی زندگی میں ایک فیصلہ کن کردار ادا کرتی ہیں۔

(2) بینکار سرمائے کے صنعتی سرمائے سے ادغام اور اس ''مالیاتی سرمائے'' کی بنیادوں پر تخلیق کردہ ایک مالیاتی اشرافیہ کی حکومت (Oligarchy)؛

(3) اشیا (Commodities) کی برآمد کی بجائے سرمائے کی برآمد غیر معمولی اہمیت اختیار کر لیتی ہے۔

(4) عالمی اجارہ دار سرمایہ دارانہ انجمنوں کی تشکیل جو کہ دنیا کو آپس میں بانٹنے کا کام کرتی ہیں، اور

(5) ساری کی ساری دنیا کا بخروں کی صورت میں سب سے بڑی سرمایہ دار طاقتوں کے مابین بانٹے جانے کا عمل مکمل ہو چکا ہے۔ سامراج، سرمایہ داری کا وہ ارتقائی مرحلہ ہے جس میں مالیاتی سرمائے اور اجارہ داریوں کا غلبہ قائم ہو چکا ہے؛ جس میں واضح طور پر سرمائے کی برآمد ہی سب سے بڑی اہمیت کی حامل ہو چکی ہے؛ جس میں عالمی ٹرسٹوں کے درمیان دنیا کی تقسیم شروع ہو چکی ہے، جس میں اس کرۂ ارض کے تمام علاقوں کو سب سے بڑی سرمایہ دار طاقتوں میں بانٹ دینے کا عمل پایۂ تکمیل کو پہنچ چکا ہے۔'' (لینن مجموعہ تصانیف، جلد 22، صفحہ 266-267)

لینن نے ایک صدہ قبل اس بات کی وضاحت کی تھی کہ سامراجی اجارہ دارانہ سرمایہ داری کے مرحلے پر تمام معیشت بینکوں اور مالیاتی سرمائے کے زیر تسلط چلی جاتی ہے۔ اپنی اس وضاحت کے ثبوت میں لینن بہت سے اعداد و شمار دیتا ہے اور اس عمل کے خدوخال بتاتا ہے جس کے ذریعے سرمایہ داری بدل کر اجارہ دارانہ سرمایہ داری بن جاتی ہے۔ اپنی کتاب میں لینن اعداد و شمار کی ایک ایسی جامع فہرست فراہم کرتا ہے جو کہ اس بات کا پتہ بتاتی ہے کہ دنیا کی معیشت چند بڑے بینکوں اور ٹرسٹوں کے قبضے میں جا چکی ہے۔ حالیہ دہائیوں میں سرمائے کے ارتکاز کا یہ عمل شدید تر تیز رفتاری اختیار کر چکا ہے۔

سامراج کے متعلق عمومیت میں کہا گیا آج بھی درست ہے۔ سرمائے کا ارتکاز آج وہاں پہنچ گیا

ہے کہ دنیا پر قابض بڑی کمپنیوں کی تعداد 200 سے زیادہ نہیں جن میں سے زیادہ تر امریکہ سے ہیں۔ بڑی بڑی اجارہ داریوں کا ریاست کے ساتھ تعلق جڑتا جا رہا ہے جو کہ اُن کے مفادات کی نمائندگی کرتی ہے۔ مالیاتی سرمائے کی افزائش ایک مادی حقیقت کے بطور موجود ہے جو کہ ہر شعبے پر اور خود ریاست پر مکمل طور سے حاوی ہو چکی ہے۔ سٹی گروپ، جے پی مورگن چیز، بینک آف امریکہ اور گولڈ مین ساکس وغیرہ اصل طاقتیں ہیں جو کہ امریکی سرمایہ داری کا مرکز ہیں۔

لینن کے ''سامراج'' لکھنے کے سو سال سے زائد عرصے بعد آج بینکوں اور مالیاتی سرمائے کا تسلط اُس وقت سے سینکڑوں گنا زیادہ ہے جب اُس نے یہ لکھا تھا۔

آج امریکی سامراج انسانی تاریخ کی بدترین سامراجی طاقت ہے۔ گزشتہ ایک صدی کے دوران اس کے انسانیت کیخلاف جرائم کی فہرست تیار کی جائے تو انتہائی طویل ہوگی۔ دوسری عالمی جنگ کے دوران جاپان میں ایٹم بم گرانے جیسے ہولناک اقدامات کر کے سرمایہ دارانہ نظام کی سربراہی لینے والا امریکہ اس کے بعد سے انسانیت سوز مظالم کی ایک نئی تاریخ رقم کر چکا ہے۔ کوریا کی جنگ سے لے کر ویت نام تک اور یوگوسلاویہ سے لے کر عراق اور افغانستان تک امریکی سامراج کے ہاتھ کروڑوں بیگناہوں کے خون سے رنگے ہوئے ہیں۔ اس دوران دنیا بھر میں فوجی بغاوتوں اور خانہ جنگیوں کے ذریعے منتخب حکومتوں کے تختے الٹنے تک اور اپنے مفادات کے حصول کے لیے ہر قسم کی خونی آمریت اور انسان دشمن افراد کو پروان چڑھانے والا امریکہ تاریخ کا سفاک ترین سامراج بن کر ابھرا ہے۔

صرف ایران میں امریکی سامراج اور اس کے اتحادیوں کے جرائم کی ایک لمبی فہرست ہے۔ ایران میں امریکی اور برطانوی سامراج نے 1953ء میں مصدق کی منتخب حکومت کا تختہ الٹا کیونکہ اس نے 1951ء میں وزیراعظم بننے کے بعد عوامی حمایت سے تیل کے شعبے کی نیشنلائزیشن کر لی تھی اور اس شعبے سے ہونے والی آمدن عوام کی فلاح و بہبود پر خرچ کرنے لگا تھا۔ تیل کی ملٹی نیشنل کمپنیوں کے منافعوں کو یہ بہت بڑا دھچکا تھا جس کا جواب مصدق کا تختہ الٹ کر دیا گیا۔ اس کے بعد شاہ کی بادشاہت کو ایران پر مسلط کیا جس نے ایران میں ساواک جیسی بدنام زمانہ خفیہ ایجنسی

بنائی۔شاہ کے مظالم کیخلاف1979ء میں ایک عظیم انقلابی تحریک ابھری جس نے شاہ کا تختہ الٹ دیا اور اسے دم دبا کر بھاگنے پر مجبور کر دیا اس میں ایران میں ملک گیر سطح کی عام ہڑتال نے کلیدی کردار ادا کیا۔اس انقلابی تحریک کی قیادت ایران کے کمیونسٹوں نے کی تھی لیکن اپنے مرحلہ وار انقلاب کے غلط سٹالنسٹ نظریے کی بدولت خود اقتدار سنبھالنے کی بجائے انہوں نے اقتدار ملاؤں کے حوالے کر دیا۔اس ردِ انقلاب کے بعد ایران میں سرمایہ دارانہ نظام کو تو بچا لیا گیا لیکن عوامی دباؤ کے تحت امریکی سامراج کیخلاف جنگ جاری رہی۔اسی وجہ سے امریکہ اور اس کے اتحادیوں نے ایران پر بدترین معاشی پابندیاں عائد کیں جس کی وجہ سے وہاں کے عوام کی زندگیاں اجیرن ہو چکی ہیں۔

اسی طرح1970ء میں انڈونیشیا میں سوئیکارنو کی منتخب حکومت کا تختہ الٹ کر سہارتو کی خونی آمریت مسلط کی گئی جس نے لاکھوں کمیونسٹوں کا قتل عام کیا۔اس طرح کے واقعات کی ایک لمبی فہرست ہے۔ لاطینی امریکہ میں بھی فوجی مداخلتوں اور کُو کروانے کی ایک لمبی تاریخ ہے۔ 1971ء میں چلی میں سوشلسٹ صدر ایانڈے کی منتخب حکومت کا تختہ الٹا گیا جس کے بعد یہاں جنرل پنوشے کی سربراہی میں ایک بدترین خونی آمریت مسلط کی گئی۔

ایک رپورٹ کے مطابق1991ء کے بعد سے امریکی سامراج نے250 دفعہ دوسرے ممالک میں فوجی مداخلت کی ہے۔دوسری عالمی جنگ کے بعد سے امریکہ نے90 ممالک میں سامراجی مداخلت کی ہے۔ ان تمام فوجی مداخلتوں میں ڈیڑھ سے ڈھائی کروڑ لوگ ہلاک ہو چکے ہیں۔صرف نائن الیون کے واقعے کے بعد2001ء سے اب تک افغانستان، عراق اور قریبی ممالک میں ہونے والی فوجی مداخلت میں45 سے پچاس لاکھ لوگ ہلاک ہوئے۔صرف امریکہ اور اس کے مغربی اتحادیوں کی جانب سے لگائی جانے والی معاشی پابندیوں کے باعث متاثرہ ممالک میں ہونے والی ہلاکتوں کی تعداد تین کروڑ اسی لاکھ بتائی جاتی ہے جن میں بچوں اور بزرگوں کی اکثریت ہے۔ان پابندیوں سے ہونے والی ہلاکتوں میں51 فیصد پانچ سال سے کم عمر بچے شامل ہیں۔امریکہ کے دنیا بھر میں800 فوجی اڈے ہیں، گیارہ طیارہ بردار جہاز ہیں اور

پوری دنیا پر عسکری اجارہ داری ہے۔ امریکہ کے دفاعی اخراجات دنیا میں سب سے زیادہ ہیں۔ اس کے بعد دفاع پر سب سے زیادہ خرچ کرنے والے دس ممالک کا بجٹ مل کر بھی امریکہ کے دفاعی بجٹ سے کم بنتا ہے۔ امریکہ کا دفاعی بجٹ ایک ہزار ارب ڈالر سالانہ کے قریب پہنچ چکا ہے اور ٹرمپ اسے اب پندرہ سو ارب ڈالر سالانہ تک لیجانا چاہتا ہے۔

اس سامراجی طاقت کی بنیاد سرمایہ داری کا مالیاتی نظام میں ہے جو پوری دنیا سے پیدا کی جانے والی دولت ہڑپ کرتا ہے۔ امریکہ کی اس فوجی طاقت کی بدولت امریکی کمپنیاں پوری دنیا سے کھربوں ڈالر لوٹ کر لے جا رہی ہیں۔ کوکا کولا اور پیپسی سے لے کر فیس بک، یوٹیوب اور ٹویٹر تک سینکڑوں امریکی کمپنیوں اور مالیاتی اداروں کا جال پوری دنیا میں پھیلا ہے اور ان پر بھاری ٹیکس عائد کرنا یا ان کی منافع خوری اور لوٹ مار کو روکنا کمزور سرمایہ دارانہ ریاستوں کے بس میں نہیں۔ اسی طرح آئی ایم ایف اور ورلڈ بینک کی سربراہی میں بینکوں کا ایک مالیاتی نظام موجود ہے جو پوری دنیا سے قرضوں اور سود کے نظام کے ذریعے پیدا کردہ دولت کا بڑا حصہ لوٹ کر لے جاتا ہے۔ مغربی یورپ کے سامراجی ممالک بھی اپنی حیثیت کے مطابق اس لوٹ مار میں سے حصہ لیتے ہیں۔ عام طور پر یہ تاثر دیا جاتا ہے کہ یہ مالیاتی ادارے غریب ممالک کی امداد کرتے ہیں اور ان کے معاشی مسائل حل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ سب سے بڑا جھوٹ ہے۔ ایک رپورٹ کے مطابق امداد کے نام پر آنے والا ہر ایک ڈالر اپنے ساتھ 14 ڈالر لوٹ کر امیر ممالک کے پاس لے جاتا ہے۔ اسی طرح آئی ایم ایف اور ورلڈ بینک کے ذریعے غریب ممالک کی معیشتوں کو کنٹرول کیا جاتا ہے اور ان پر اپنی مرضی کے ایسے فیصلے مسلط کیے جاتے ہیں جن سے سامراجی ممالک کی لوٹ مار میں اضافہ ہو سکے۔ اس کے علاوہ قرضوں اور سود کی مد میں بھی لوٹ مار کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ آکسفیم کی ایک رپورٹ کے مطابق دنیا کے غریب اور ترقی پذیر ممالک سے امیر ترین ممالک کے ایک فیصد امیر ترین لوگوں کو منتقل ہونے والی دولت تین کروڑ ڈالر فی سیکنڈ بنتی ہے۔ صرف 2023ء میں اس دولت کا حجم 263 ارب ڈالر بنتا ہے۔ ان اعداد و شمار میں چین سے نکلنے والی دولت بھی شامل ہے۔ یعنی مغربی ممالک کے امیر ترین لوگ دنیا کے دیگر ممالک میں پیدا کی جانے

والی دولت ہڑپ کر رہے ہیں۔صرف ڈالر کے عالمی کرنسی ہونے کی وجہ سے ہر سال ایک ہزار ارب ڈالر غریب ممالک سے امیر ممالک کے حکمران طبقے کو منتقل ہو جاتا ہے۔تجارتی ناہمواری کی وجہ سے 1995ء سے لے کر 2015ء تک کے بیس سالوں میں غریب ممالک سے امیر ممالک کے حکمران طبقے کو 240 ٹریلین ڈالر منتقل ہوا ہے یعنی دو لاکھ چالیس ہزار ارب ڈالر۔اوسطاً غریب ممالک اپنے بجٹ کا 48 فیصد قرضوں اور سود کی ادائیگی میں خرچ کرتے ہیں۔

اس صورتحال میں سوال پیدا ہوتا ہے کہ اتنی بڑی سامراجی طاقت کو شکست کیسے دی جاسکتی ہے۔اور کیا یہ ممکن بھی ہے کہ اس سامراجی طاقت اور اس کے دنیا بھر میں مسلط کردہ نظام سے چھٹکارا حاصل کیا جاسکے۔

اکثر دانشور، سیاسی لیڈر اور تجزیہ نگار اس کا جواب نفی میں دیتے ہیں اور کہا جاتا ہے کہ یہ ناممکن ہے اس لیے اس غلامی کو قبول کر لینا چاہیے اور اسی نظام کے تحت غلامی کی شرائط کو بہتر کرنے کی کوشش کرنی چاہیے یا پھر سامراجی آقاؤں کی اطاعت اور خوشنودی حاصل کر کے ''کامیابی'' کی سیڑھی چڑھنی چاہیے۔

اس کے علاوہ آجکل دوسرا حل یہ دیا جا رہا ہے کہ امریکی سامراج کے مخالف کیمپ کی حمایت کرنی چاہیے اور چین، روس اور ایران کے کیمپ کا حصہ بنتے ہوئے امریکی سامراج کو کمزور کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ایران کی حالیہ جنگ میں کامیابی نے اس خیال کو مزید تقویت دی ہے اور جیسے چین سامراجی طاقت کے طور پر مضبوط ہوگا یہ خیال بھی زور پکڑے گا۔درحقیقت دنیا کے مختلف ممالک کے حکمران طبقات تو اسی پالیسی پر کافی سالوں سے عمل پیرا ہیں اور امریکی سامراج کے کمزور ہونے کے باعث دیگر سامراجی طاقتوں کے ساتھ گٹھ جوڑ بنا رہے ہیں۔

لیکن کمیونسٹوں کا فریضہ ہے کہ محنت کش طبقے کے مفادات کو دیکھتے ہوئے لائحہ عمل بنائیں۔اس حوالے سے دیکھا جائے تو چین اور روس کے کیمپ کی بنیاد پر بھی وہی نظام ہے جو امریکی سامراج کی بنیاد پر ہے۔یہ ممالک بھی سرمایہ دارانہ ریاستیں ہیں اور یہاں کا سرمایہ دار طبقہ بھی اپنے ملک کے محنت کش طبقے کا بدترین استحصال کر رہے ہیں اور یہاں کی حکومتیں اپنے خلاف ابھرنے والی

عوامی تحریکوں پر بدترین ریاستی جبر بھی کرتی ہیں۔ان سامراجی ریاستوں کا امریکہ سے اختلاف لوٹ مار کے حصے پر ہے۔امریکہ چاہتا ہے کہ دنیا بھر میں پیدا ہونے والی دولت کا بڑا حصہ وہ اور اس کے اتحادی ممالک کے حکمران طبقات لوٹیں جبکہ چین، روس اوران کے اتحادی ممالک اپنے اپنے حکمران طبقے کے مفادات اورلوٹ مار کا تحفظ چاہتے ہیں۔ایسے میں محنت کش طبقے کوان تمام سامراجی طاقتوں کی باہمی لڑائی کا حصہ بننے کی بجائے اپنے مفادات کے حصول کے تحت آزادانہ لائحہ عمل بنانے کی ضرورت ہے۔

محنت کش طبقے کے مفادات سرمایہ دارانہ نظام کوختم کرتے ہوئے سوشلسٹ انقلاب کے ذریعے ہی حاصل کیے جاسکتے ہیں۔کسی بھی ملک میں سرمایہ دارانہ نظام کے خاتمے کا مطلب ہے کہ وہاں پر پیدا ہونے والی تمام دولت مٹھی بھر سرمایہ داروں کی ملکیت میں جانے کی بجائے اس ملک کے عوام کے جمہوری کنٹرول میں آجائے گی۔ یہ دولت ایک سوشلسٹ منصوبہ بند معیشت کے ذریعے پورے ملک کے عوام کی فلاح و بہبود پر خرچ کی جاسکے گی جس میں ہر شخص کو روٹی، کپڑا، مکان، علاج اور تعلیم مزدور ریاست کی طرف سے فراہم کی جائے گی۔ ہر شخص کو روزگار کی ضمانت حاصل ہوگی اور ہر قسم کے ظلم اور استحصال کا خاتمہ ہو جائے گا۔محنت کش طبقہ اقتدار میں آنے کے بعد سرمایہ دارانہ نظام کے پیداواری اور ملکیتی رشتے ختم کر دے گا اور معیشت کے تمام کلیدی حصے مزدور ریاست کے کنٹرول میں ہوں گے۔اسی لیے تمام بینک اور انشورنس کمپنیاں ختم کر کے ایک مرکزی بینک کے تحت سوشلسٹ معیشت کا مالیاتی نظام چلایا جائے گا اور سودی نظام مکمل طور پر ختم کیا جائے گا۔آئی ایم ایف اور ورلڈ بینک جیسے مالیاتی اداروں کی لوٹ مار کا مکمل خاتمہ ہوگا اور ان کو ادا کیے جانے والے سودی قرضوں اوران کی قسطوں سے مکمل انکار کر دیا جائے گا۔اسٹاک ایکسچینج اور اس سے متعلقہ سٹہ بازی کا مکمل خاتمہ ہوگا اور سرمایہ دار طبقے کی منافع خوری اور لوٹ مار کا خاتمہ ہوگا۔اسی طرح اس ملک کی دوسرے ممالک سے تجارت بھی نجی کمپنیوں کی بجائے مزدور ریاست کے کنٹرول میں ہوگی۔اسی قسم کے اقدامات کی ایک طویل فہرست ہے جو انقلابی کمیونسٹ پارٹی اپنی تاسیسی دستاویزات میں تفصیل سے بیان کر چکی ہے۔

لیکن دنیا کی کوئی بھی سامراجی طاقت یا سرمایہ دارانہ ملک کا حکمران طبقہ ان اقدامات یا ایسے انقلاب کی حمایت نہیں کرسکتا۔ کیونکہ ایسے انقلاب کی حمایت کرنے کا مطلب ہے کہ اپنے ہی ملک میں ایسے خیالات کو پروان چڑھانا جو بالآخر اس سامراجی طاقت کے اپنے لیے بہت بڑا خطرہ ہیں۔اس لیے اپنی تمام تر لڑائی اور جنگوں کے باوجود یہ سامراجی ممالک محنت کش طبقے کے مفادات کو کچلنے کے لیے ہمیشہ یکجا ہو جاتے ہیں۔1917ء میں جب روس میں لینن اور ٹراٹسکی نے بالشویک پارٹی کی قیادت کرتے ہوئے سوشلسٹ انقلاب برپا کیا تو اس وقت پہلی عالمی جنگ جاری تھی اور مختلف سامراجی طاقتیں ایک دوسرے سے برسرپیکار تھیں لیکن اس انقلاب کو کچلنے کے سب اکٹھی ہو گئیں تھی اور مل کر نوزائیدہ مزدور ریاست پر حملہ کر دیا تھا۔لیکن اس وقت بھی انقلاب میں اتنی طاقت تھی کہ ان تمام سامراجی طاقتوں کو شکست فاش دی۔اس کے لیے ایک طرف ٹراٹسکی نے اس جنگ سے تباہ حال ملک میں انقلابی بنیادوں پر سرخ فوج تیار کی جس نے ان ملکوں کی جارحیت کا مقابلہ کیا جبکہ دوسری طرف لینن نے دنیا بھر کے محنت کشوں سے یکجہتی کی اپیل کی اور ان سے اس انقلاب کا دفاع کرنے کا مطالبہ کیا۔لینن کا خط ملنے پر امریکہ کی بندرگاہوں پر موجود مزدوروں نے ہڑتال کر دی تھی۔اسی طرح مختلف یورپی ممالک میں بھی ہڑتالیں ہوئیں تھیں جس کی وجہ سے ان سامراجی ممالک کو روس پر مسلط کردہ جنگ سے پسپائی اختیار کرنا پڑی۔

آج بھی عالمی سطح پر موجود سامراجی طاقتوں کو شکست دینے کے لیے سب سے بڑی قوت دنیا بھر کا محنت کش طبقہ ہے۔فلسطین کی یکجہتی کے حوالے سے ہم دیکھ چکے ہیں کہ اٹلی اور فرانس کے محنت کشوں نے ہڑتالوں کے ذریعے یکجہتی کا اظہار کیا۔اسی طرح امریکی سامراج اور اسرائیل کی مشرقِ وسطیٰ پر مسلط کردہ جنگوں کیخلاف بھی دنیا بھر کے محنت کشوں میں غم وغصہ پایا جاتا ہے۔اس وقت امریکہ کی سامراجی پالیسیوں کیخلاف سب سے زیادہ نفرت خود امریکہ کے اندر موجود ہے اور عوام کی ایک بہت بڑی اکثریت ایران پر مسلط کردہ جنگ کی مخالف ہے۔اسی طرح ٹرمپ سمیت امریکی حکمران طبقے کیخلاف شدید نفرت موجود ہے۔ایپسٹائن فائلز کے گرد ابھرنے والی نفرت نے

بھی عوام کے جذبات کا سطح پر اظہار کیا ہے۔ اس معاملے سے واضح ہو چکا ہے کہ اس نظام کے حکمران اخلاقی طور پر بھی کتنے غلیظ اور مکروہ ہیں اور کم عمر بچیوں کا جنسی استحصال کرنے کے علاوہ بھی کتنی بیہودہ حرکتیں اور انسانیت سوز جرائم کرتے پائے جاتے ہیں اور یہ بھیڑیے کسی طور بھی انسان کہلانے کے حقدار نہیں۔ اس اخلاقی گراوٹ کی بنیاد بھی یہی سرمایہ داری اور نجی ملکیت کا نظام ہے جو انہیں بدترین ہوس میں مبتلا کرتے ہوئے درندہ بنا دیتا ہے۔

اس نظام کیخلاف امریکہ کے اندر سے آوازیں بلند ہونا شروع ہو چکی ہیں اور کمیونزم کے نظریات تیزی سے پھیل رہے ہیں۔ یہی صورتحال یورپ اور دیگر ممالک کی ہے جہاں خاص کر نوجوانوں میں کمیونزم کے نظریات مقبولیت حاصل کر رہے ہیں۔ آنے والے عرصے میں اس نظام کیخلاف ایک کے بعد دوسرے ملک میں انقلابی تحریکیں ابھریں گی۔ لیکن ضرورت اس امر کی ہے کہ ان تحریکوں میں درست نظریات کے تحت ایک ایسی منظّم انقلابی قوت تعمیر کی جائے جو فیصلہ کن انداز میں اس سرمایہ دارانہ نظام کو اکھاڑ پھینکے۔

گزشتہ سالوں میں ایران سے لے کر بنگلہ دیش تک اور کینیا اور مڈغاسکر سے لے کر ہانگ کانگ تک بہت بڑی عوامی تحریکیں ابھری ہیں لیکن یہ تمام تحریکیں اسی نظام کی حدود میں قید رہیں اور اسی نظام کے اندر رہتے ہوئے تبدیلی کا مطالبہ کرتی رہیں۔ عرب انقلابات سے لے کر آکو پائی وال سٹریٹ تک ہمیں **2011**ء میں بھی یہی صورتحال نظر آتی تھی اور اب **2026**ء میں بھی کم وبیش یہی صورتحال ہے۔ گو کہ ایک دہائی قبل کمیونزم کے نظریات میں اتنی دلچسپی نہیں تھی جتنی دنیا بھر میں اب ہے۔ آنے والے عرصے میں ابھرنے والی انقلابی تحریکوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ **1917**ء کے روس کے سوشلسٹ انقلاب کے تجربات سے سبق حاصل کریں اور سرمایہ دارانہ نظام اکھاڑنے کی جانب بڑھیں۔

اگر ایران میں گزشتہ سالوں میں ابھرنے والی تحریکیں ملا اشرافیہ کے ساتھ سرمایہ دارانہ نظام ختم کرنے میں کامیاب ہو جاتیں تو آج صورتحال مختلف ہوتی۔ آج نہ صرف امریکہ اور اسرائیل کو جنگ میں زیادہ مؤثر انداز میں شکست دی جا سکتی تھی بلکہ پورے مشرقِ وسطیٰ کے عوام سے اپیل

کرتے ہوئے ان تک اپنے حکمران طبقات کیخلاف انقلاب برپا کرنے کا پیغام لیجایا جاسکتا تھا۔

اگر مشرقِ وسطیٰ کے دیگر ممالک کے عوام دیکھتے کہ ایران میں مزدور ریاست کے قیام کے بعد نہ صرف جمہوری آزادیاں حاصل کی گئی ہیں بلکہ مہنگائی، بیروزگاری اور غربت سے بھی نجات حاصل کی گئی ہے تو ایسے میں ایران کا انقلاب ان ممالک کے عوام کے لیے خود ایک قابل تقلید مثال بن جانا تھا۔ ایسے میں ایران کی طرف سے خطے کے دیگر ممالک پر میزائل اور ڈرون برسانے کی ضرورت ہی نہیں تھی بلکہ صرف پمفلٹ گرانے کی ضرورت تھی یا پھر ویڈیو پیغام بھیجنے تھے جن میں ان ممالک میں انقلاب برپا کرنے کا پیغام ہوتا۔

خلیجی ممالک سمیت ترکی سے لے عراق اور اردن تک ہر طرف محنت کش عوام حکمران طبقے کی لوٹ مار اور مظالم سے تنگ ہیں اور ان سے نجات حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ اس کے علاوہ وہ امریکی سامراج اور اس کی مسلط کردہ جنگوں سے بھی نفرت کرتے ہیں اور اس کیخلاف بھی ایک فیصلہ کن لڑائی لڑنا چاہتے ہیں۔ لیکن کوئی بھی سیاسی لیڈر انہیں اس سمت میں آگے بڑھنے کا لائحہ عمل نہیں دے رہا بلکہ تمام لیڈر اس نظام سے مفاہمت کر چکے ہیں اور انقلاب کے لفظ سے بھی خوفزدہ ہیں۔ اگر کسی ایک ملک میں کامیاب سوشلسٹ انقلاب کے بعد یہ پیغام پورے خطے میں پھیلایا جاتا ہے تو اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ اسے عوام کی طرف سے کتنی بڑی حمایت ملے گی۔

اگر مصر سے لے کے سعودی عرب اور ایران تک اس پورے خطے کے کروڑوں عوام سڑکوں پر نکل آتے ہیں اور اپنے ملک کے حکمران طبقے کے اقتدار کا خاتمہ کرتے ہوئے تمام وسائل پر اپنا اختیار خود حاصل کرتے ہیں تو اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ عوام کے ہاتھ میں کتنے بڑے وسائل ہوں گے اور کتنی آسانی سے سامراجی طاقتوں کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔ سب سے بڑی طاقت کروڑوں لوگوں کا انقلابی جذبہ ہے جو اس انقلابی عمل میں شریک ہو کر ایک کُل بن کر کئی گنا زیادہ طاقتور ہو جائے گا۔

ایسے میں اسرائیل کی سامراجی ریاست جو اس وقت ایک دیوہیکل پہاڑ دکھائی دیتی ہے جسے عبور ہی نہیں کیا جاسکتا ایک انقلاب کے بعد صرف ایک چھوٹی سے رکاوٹ لگے جیسے سڑک میں پڑا ہوا کوئی پتھر ہو جسے آسانی سے ہٹایا جاسکتا ہے۔

یعنی فلسطین کی آزادی کی جدوجہد کو کامیابی سے ہمکنار کرنے کے لیے ضروری ہے کہ مشرقِ وسطیٰ میں سے سرمایہ دارانہ نظام کا خاتمہ کیا جائے۔گزشتہ عرصہ میں ابھرنے والی تحریکوں میں یہ نہیں کیا جا سکا لیکن آنے والے عرصے میں اس کے امکانات دوبارہ سے ابھریں گے۔اس کو کامیاب کرنے کے لیے ابھی سے ان ممالک میں انقلابی کمیونسٹ پارٹیاں تعمیر کرنے کی ضرورت ہے جو آنے والی انقلابی تحریکوں میں سوشلسٹ انقلاب کا پروگرام لاکھوں لوگوں تک پہنچا سکیں اور محنت کش طبقے کی حمایت حاصل کرتے ہوئے فیصلہ کن کامیابی حاصل کر سکیں۔صرف ایران میں ایک کامیاب سوشلسٹ انقلاب پورے مشرقِ وسطیٰ، وسطی اور جنوبی ایشیا میں انقلابات کی ایک نئی لہر کو جنم دے گا اور اس پورے خطے میں سرمایہ داری کیخلاف فیصلہ کن معرکوں کا آغاز کرنے کا موجب بنے گا۔

اس انقلاب کو کچلنے کے لیے جہاں امریکہ اور اسرائیل پوری قوت سے حملہ آور ہوں گے وہاں چین، روس اور پھر ایران کا حکمران طبقہ بھی پوری طاقت سے اس انقلاب کا رستہ روکیں گے۔خطے کے دیگر ممالک کے حکمران طبقات بھی اس انقلاب کے خوف سے کانپنے لگیں گے اور اس کو ختم کرنے کی ہر ممکن کوشش کریں گے۔اس لیے سب سے پہلے تو محنت کش طبقے اور اس کی نمائندہ پارٹی کو اس حقیقت کا پوری طرح ادراک ہونا چاہیے کہ ان کا دوست کون ہے اور دشمن کون۔

سرمایہ دار طبقے کا نمائندہ خواہ کسی بھی ملک کا ہو وہ محنت کش طبقے کا دوست نہیں ہو سکتا۔ایک سامراجی ملک کیخلاف کسی دوسرے سامراجی ملک کی حمایت پر یقین رکھنا بیوقوفی اور تحریک کے لیے زہر قاتل ہے۔محنت کش طبقے کے مفادات کی حمایت دوسرے ممالک کے محنت کش ہی کریں گے۔اس لیے اس جدوجہد میں اگر امریکہ اور اسرائیل کی سامراجی طاقت سے مقابلہ ہوتا ہے تو پھر دنیا بھر کے محنت کشوں سے یکجہتی کی اپیل کی جائے گی۔خاص طور پر امریکہ کے محنت کش طبقے سے کہ وہ ایک عام ہڑتال کے ذریعے ملک کو جام کرے اور امریکی سامراج کو مفلوج کر دے۔امریکہ کی عام ہڑتال خود امریکہ میں سرمایہ دار طبقے کی بقا کو خطرے میں ڈال دے گی اور وہاں پر از خود سوشلسٹ انقلاب کی جدوجہد کو نئی اٹھان ملے گی۔اسی طرح چین اور روس کے محنت کش طبقے سے ان ممالک کی سامراجی پالیسیوں کیخلاف اپیل کی جا سکتی ہے۔

درحقیقت کمیونسٹ پوری دنیا سے سرمایہ دارانہ نظام ختم کرنے کی جدوجہد کر رہے ہیں اوران کی حتمی منزل عالمی سوشلسٹ انقلاب ہے۔ کمیونسٹ سمجھتے ہیں کہ اگر کسی ایک ملک میں سرمایہ داری کا خاتمہ ہو بھی جائے اور منصوبہ بند معیشت استوار ہو بھی جائے تو وہ زیادہ طویل عرصے تک سرمایہ دارانہ دنیا سے تنہا مقابلہ نہیں کرسکتی۔ اس کی بقا کے لیے ضروری ہے کہ ایک کے بعد دوسرے ملک میں سرمایہ داری کا خاتمہ کیا جائے اور خطے کی ایک سوشلسٹ فیڈریشن بناتے ہوئے پوری دنیا کی ایک سوشلسٹ فیڈریشن تشکیل دی جائے۔ لینن نے واضح کیا تھا کہ مزدور ریاست وقت کے ساتھ ساتھ خود کو سماج میں تحلیل کر لیتی ہے اور ایک ایسا مرحلہ آتا ہے جب طبقات پر مبنی غیر منصفانہ نظام ہی ختم نہیں ہوتا بلکہ ریاست کا ادارہ ہی ختم ہو جاتا ہے جو تاریخی طور پر اس وقت ابھرا تھا جب سماج میں طبقاتی نظام وجود میں آیا تھا۔ دوسرے الفاظ میں عالمی سوشلسٹ انقلاب کے بعد دنیا بھر میں طبقاتی نظام کا بھی خاتمہ ہوگا اور مصنوعی سرحدیں بھی ختم ہوں گی جنہوں نے انسانوں کو تقسیم کر رکھا ہے اور ان سرحدوں کے جعلی تقدس کے لیے قیمتی جانوں کا نذرانہ پیش کیا جاتا ہے۔ انقلاب کے بعد ایک ایسی دنیا کا وجود آئے گا جس میں انسان کے ہاتھوں انسان کے استحصال کا خاتمہ ہوگا اور قوموں کے درمیان جنگوں کا بھی خاتمہ ہوگا۔ اسلحے کی دوڑ اور اس میں ضائع کیے جانے والے ہزاروں ارب ڈالر سالانہ کے ضیاع کا خاتمہ ہوگا اور تمام وسائل انسانی سماج کی ترقی پر صرف کیے جائیں گے۔ ایک ایسی دنیا جس میں کوئی حکمران طبقہ نہیں ہوگا، ظلم اور جبر قائم رکھنے کے لیے کوئی پولیس اور فوج نہیں ہوگی اور کوئی سامراجی طاقت نہیں ہوگی۔

یہ ایک ایسا خواب ہے جو آج کی جدید ٹیکنالوجی کے دور میں بالکل بھی ناممکن نہیں۔ آج اس ٹیکنالوجی کو درست انداز میں بروئے کار لایا جائے اور سرمایہ داروں کی مجتمع شدہ دولت ان سے چھین کر انسانی فلاح کے لیے استعمال کی جائے تو دنیا میں موجود ہر شخص کو بنیادی ضروریات فراہم کی جاسکتی ہیں۔ آج دنیا میں جتنی دولت پیدا ہوتی ہے ماضی میں اس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا۔ لیکن یہ دولت جہاں پوری دنیا کے محنت کش مل کر پیدا کرتے ہیں وہاں اس کی ملکیت امیر ترین افراد کے پاس ہی ہے۔ وہ اس ملکیت کو قائم رکھنے کے لیے اس خونی نظام کو جاری رکھنا چاہتے ہیں

خواہ اس کے لیے انہیں لاکھوں انسانوں کا قتل ہی کیوں نہ کرنا پڑے۔ لیکن ہر درد دل رکھنے والا شخص اس نظام سے نفرت کرتا ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ اس نفرت کو ایک منظّم قوت میں تعمیر کیا جائے اور ایک انقلابی سیاسی پروگرام کے تحت ایک ایسی تحریک برپا کی جائے جو ظلم اور جبر پر مبنی اس نظام کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ کرے۔

انقلابی کمیونسٹ انٹرنیشنل پوری دنیا میں اسی منزل کے حصول کے لیے جدوجہد کر رہی ہے۔ ہم ہر باشعور شخص سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ اس جدوجہد میں شریک ہو اور اس عظیم مقصد کے حصول میں انقلابی کمیونسٹوں کے قافلے کا حصہ بنے۔ ہمیں یقین کہ اب ڈیرے منزل پر ہی ڈالے جائیں گے اور سرمایہ دارانہ نظام کا خاتمہ کرتے ہوئے دنیا کو جنگوں اور قتل و غارت سے ہمیشہ کے لیے نجات دلائی جائے گی۔

سوشلسٹ انقلاب زندہ باد!

سرمایہ داری مردہ باد!

دنیا بھر کے محنت کشو ایک ہو جاؤ!

انقلابی کمیونسٹ پارٹی
RCP
REVOLUTIONARY COMMUNIST PARTY

marxist.com
marxist.pk
0319-8401917

WORLD PERSPECTIVE 2026
CONGRESS 2026

marxist.com
marxist.pk
0319-8401917

انقلابی کمیونسٹ پارٹی

RCP

REVOLUTIONARY COMMUNIST PARTY

دنیا بھر کے محنت کشو ایک ہو جاو!